صفا



دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کا علمی، دینی، ادبی سہ ماہی رسالہ

صفا

خصوصی شمارہ بموقع افتتاح دورۂ حدیث شریف دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

شمارہ ۲ : جولائی، اگست، ستمبر ۱۹۸۸ء : ذوقعدہ، ذی الحجہ، محرم ۱۴۰۹ھ

مدیر
خالد سیف اللہ رحمانی

مدیر اعلیٰ
محمد رضوان القاسمی

سالانہ زرِ تعاون -/۲۵ — معاون خصوصی -/۱۰۰ روپے : فی پرچہ -/۷ روپے

ناشر
شعبۂ نشر و اشاعت : دارالعلوم سبیل السلام، بارکس، پوسٹ بالاپور حیدرآباد ۵....۵ انڈیا
فون نمبر : ۲۳۹۴۵۰

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

اس صدی کا شاید سب سے بڑا معجزہ اور عجوبہ وہ ہے جو سرزمین افغانستان سے روسیوں کی رجعت قہقری کی صورت میں پیش آیا ہے۔ روس نے اپنی تاریخ میں کسی ملک پر قابض ہونے کے بعد کبھی اس سے دست برداری کا سبق نہیں پڑھا تھا، وہ ایک بڑے اسلامی خطہ کا بھی غاصب ہے، اس نے پورے پورے ملک کو یک لخت اس طرح ہضم کیا ہے، گویا اس کا وجود ہی نہ تھا، اس کو جو زبردست جنگی اور دفاعی قوت حاصل ہے، اس کے تحت اس قسم کا عمل اس کیلئے چنداں مشکل نہیں، رہ گئی اخلاقی قدریں اور پاسِ انسانیت، تو اشتراکی نظام کے نزدیک اپنے مقصد کے لئے اس کی شمہ برابر اہمیت نہیں اور بقول انجلز کے "ان کے نزدیک اخلاق کی اتنی اہمیت بھی نہیں ہے، جتنی پاجامہ کی" ——— اس کے مقابلہ افغانستان ایک پس ماندہ مسلم ملک ہے، جس کی دفاعی صلاحیت نہایت معمولی ہے، بلکہ روس کے قبضہ سے پہلے تک تو روایتی قبائلی ہتھیاروں کے علاوہ جدید اور ترقی یافتہ اسلحہ سے وہ آشنا ہی نہیں تھے، کوئی سمندری ساحل نہ ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی ذرائع مواصلات کے لحاظ سے بھی وہ پیچھے ہی ہے۔

تاہم اس کے باوجود افغانی مجاہدین نے روسی مداخلت کے خلاف اتنی مؤثر، فیصلہ کن اور طاقت ور جد وجہد کی کہ اس نے امریکہ کے ویت نام سے انخلاء کی تاریخ کو بھی ہیچ کر دیا اور روس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ وہ نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ غازیوں اور شہیدوں کی اس سرزمین کو چھوڑ کر چلا جائے۔ اس کی وجہ افغان عوام کا اسلامی اور دینی جذبہ تھا، ان کی جنگ وطنی اور علاقائی یا لسانی اور نسلی بنیاد پر نہیں تھی، بلکہ خدا کے دین کی حفاظت اور الحاد کے خلاف پنجہ آزمائی کے لئے تھی، ان کی جد وجہد "قومیت" کے بت رسوا کی پرستش کیلئے

نہیں تھی، بلکہ افغانستان کے اسلامی کردار کی صیانت اور دینِ محمدی سے اس کے رشتۂ قومی کے بقاء، دوام کے لئے تھی۔ افغانوں کے اسی جذبۂ جہاد نے برطانوی استعماریت کو اس وقت افغانستان کی سرزمین سے رخصت ہونے پر مجبور کر دیا تھا جب برطانیہ کا دائرۂ حکومت اتنا وسیع تھا کہ کبھی اس کی حدود میں سورج ڈوب نہ سکتا تھا۔

یہ عالمِ اسلام اور عالمِ عرب کے لئے تازیانۂ عبرت ہے کہ جو تحریک خدا پر یقین اور حفاظتِ اسلام کے جذبۂ و خروش سے خالی اور وطنیت اور قومیت کے غیر اسلامی تصور پر مبنی ہو وہ خدا کی نصرت و مدد سے محروم ہوتی ہے اور جب کسی جدوجہد میں حمیتِ اسلامی اور غیرتِ دینی کا عنصر شامل ہو جائے تو کس طرح نصرتِ خداوندی اس کے قدم چومتی ہے؟۔

عالمِ اسلام کے لئے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ قبلۂ اوّل "بیت المقدس" کے حصول اور ارضِ فلسطین سے صہیونیوں کے انخلاء کا ہے، بیس سال سے زیادہ عرصہ سے فلسطینی اپنی سرزمین سے محروم ہیں اور ملکوں ملکوں عزت کی زندگی کے لئے پناہ لینے پر مجبور ہیں، مغربی دنیا جو خود کو انسانیت کا محافظ، انسانی حقوق کا پاسبان اور آزادی اور حریت کا نقیب کہتا ہے، اس مسئلہ پر نہ صرف خاموش ہے، بلکہ کھلے عام اسرائیل کی درندگی اور وحشت کی پشت پناہی کر رہی ہے ——— فلسطین کے مظلوم و ستم رسیدہ بھی مختلف ملکوں سے اپنی آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں، تاہم وہ عرب جو اسرائیل میں مقیم ہیں، اب تک اسرائیلی مظالم کے باعث صبر و سکوت کی راہ اختیار کئے ہوئے تھے، مگر اب پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہے اور خود مقبوضہ فلسطین میں اسرائیل کے خلاف زبردست جدوجہد شروع ہو گئی ہے، انکی قربانی نے پوری دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے، مغربی ممالک بھی اب سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ فلسطینیوں کے ساتھ یہ ظلم مزید روا نہیں رکھا جا سکتا، خود اسرائیل کے اربابِ اقتدار میں ایک ایسا مؤثر گروپ پیدا ہو چکا ہے، جو فلسطینیوں سے مصالحت کی طرف مائل ہے، دنیا کی دو بڑی طاقتوں امریکہ و روس نے بھی اس بات سے اتفاق کر لیا ہے کہ مسئلہ فلسطین پر ایک بین قومی

کانفرنس منعقد ہونی چاہیے جو فریقین کے لئے کوئی قابلِ قبول حل نکال سکے۔

مقبوضہ فلسطین کی تحریک مزاحمت میں اس وقت جو جان پڑ گئی ہے، اس کا بنیادی سبب مذہبی محرک ہے، خود اسرائیلی حکومت کے ترجمان کا بیان ہے کہ اسلام پسند اور مغربی صحافت کی اصطلاح میں "بنیاد پرست" مسلمانوں کے ہاتھوں اس تحریک کی قیادت ہے، اب ضرورت ہے کہ عالمِ اسلام اپنے باہمی اختلافات کو بھول کر ہم دوش اور ہم قدم ہو جائے اور مسئلہ فلسطین کے حل میں اپنی پوری قوت اور وسائل کو استعمال میں لائے، نیز اس مسئلہ کو خالص ایک مذہبی اور دینی مسئلہ باور کر کے ایمان و یقین کی قوت سے مسلح اور اسلامی غیرت و حمیت کے بادۂ نشاط انگیز سے سرشار ہو کر ارضِ فلسطین کو آزاد کرانے کی سعی کرے کہ اتحاد ہی سب سے بڑی قوت ہے، اور خدا پر غیر متزلزل یقین ہی مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

اس بدبختی پر جس قدر رویا جائے کم ہے کہ ایک طرف پورا عالمِ اسلام مختلف مسائل سے دوچار ہے، استعماری طاقتیں اس پر حریصانہ نظر ڈالے ہوئی ہیں اور مخالف اسلام قوتیں مختلف صورتوں میں اسلام کے خلاف صف آرا ہیں۔ دوسری طرف عراق ایران کی باہمی جنگ نے عالمِ اسلام کی بہترین قوت و صلاحیت اور گرانقدر سرمایہ و معیشت کو ایک بے مقصد جنگ کے پیچھے برباد کر رکھا ہے، یہ جنگ اس قدر طویل ہو چکی ہے کہ جنگِ عظیم کے بعد اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی، جنگ کا آغاز کسی بھی فریق کی طرف سے ہوا ہو، تاہم اس میں کسی صاحبِ عقل کے لئے تامل کی کوئی گنجائش نہیں کہ اب اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اور ایران ہی ہے جس کے اصرار اور ضد کی وجہ سے جنگ ختم کرانے کی ہر سعی ناکامی سے دوچار ہو رہی ہے، اس جنگ نے ایران کو نہ صرف بین الاقوامی برادری سے کاٹ کر رکھ دیا ہے، بلکہ معاشی اعتبار سے بھی اس کی قوت ٹوٹتی جا رہی ہے، عراق نے اب اپنے تمام مقبوضہ علاقے نہایت آسانی سے واپس لے لئے ہیں۔

ایران ایک طرف امریکہ اور اسرائیل کو شیطانِ بزرگ قرار دیتا ہے، دوسری طرف خود اسرائیل سے خفیہ طور پر اسلحہ خریدتا بھی کرتا ہے، ایک طرف اس نے اتحادِ اسلامی اور اخوتِ ایمانی کا نعرہ لگا رکھا ہے، دوسری طرف سنی مسلمانوں کو ایران میں وہ مقام و درجہ بھی

حاصل نہیں جو ہندوستان میں مسلم اقلیت کو ہے ـــــ یہ ایسے تضاد ہیں کہ ـــــ اہل تشیع کو چھوڑ کر اس کی مثالیں کہیں اور کم ملیں گی۔ اللہ تعالےٰ اس فتنہ سے اسلام اور عالم اسلام کی حفاظت فرمائے۔

مقامِ مسرت ہے کہ بنگلہ دیش نے اپنے "اسلامی جمہوریہ" ہونے کا اعلان کیا ہے، پاکستان سے بنگلہ دیش کی علیحدگی علاقائیت اور لسانی گروہ بندی کی بنا پر ہوئی تھی اور اس طرح یہ خطہ "اسلامی ملک" کے بجائے "سیکولر ملک" بن گیا تھا۔ شیخ مجیب جو اس تصور کے جنم داتا تھے، بہت جلد اس موت سے دوچار ہوئے، جو نہایت ذلت کی موت تھی، اپنے قیام ہی سے اس نوخیز مملکت کا حال بتدریج بگڑتا گیا اور لوگوں نے محسوس کیا کہ ہزاروں معصوم جانوں کے کشت و خون نے اس ملک کے نامۂ تقدیر کو سیاہ کر کے رکھ دیا ہے، معیشت تباہ ہوگئی، سیاسی عدم استحکام پہلے سے بھی بڑھ گیا، بین الاقوامی ساکھ بھی جاتی رہی، سکہ کی قیمت گرتی چلی گئی اور گرانی نے اچھے اچھوں کی کمر ہمت توڑ دی۔

صدر ضیاء الرحمٰن مرحوم کے وقت سے حکومت کے رجحان میں خوشگوار تغیر شروع ہوا اور اسلام اور عالم اسلام سے اس نے پھر سے اپنا رشتہ استوار کرنا شروع کیا، موجودہ صدر جنرل ارشاد کے تخت اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد یہ سلسلہ اور بڑھتا گیا اور اب بحمد اللہ ملک کی پارلیمنٹ نے دستوری طور پر بنگلہ دیش کے "اسلامی جمہوریہ" ہونے کا اعلان کر دیا ہے، جو یقیناً اس کی اپنی اصل کی طرف واپسی ہے، گو یہ اقدام صدر مملکت نے ایسے وقت کیا ہے، جب کہ انکی منتخبہ حکومت کے انتخاب پر حزب اختلاف کی طرف سے زبردست اعتراض کیا جا رہا ہے، لیکن جو کام بہتر ہو وہ بہر حال بہتر ہے اور جس کسی کے ہاتھوں انجام پائے قابلِ تحسین ہے، اس کے باوجود بنگلہ دیش کی بعض مذہبی جماعتوں کا جنرل ارشاد کے اس اقدام سے اختلاف افسوسناک بھی ہے اور حیرت ناک بھی۔

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کی خارجہ پالیسی دوسرے ملکوں کے معاملات میں عدم مداخلت پر مبنی ہے، چونکہ یہ مسئلہ بنگلہ دیش کا داخلی معاملہ ہے، اسلئے ظاہر ہے کہ ہمارے ملک کا

اخلاقی اور قانونی فرض ہے کہ وہ اس بارے میں اظہار رائے سے گریز کرے، افسوس کہ بعض سیاسی قائدین اور فرقہ پرست تنظیمیں خواہ مخواہ اس قضیہ کو لے کر بنگلہ دیش حکومت پر تنقید کو اپنا حق باور کئے ہوئے ہیں، گویا انہوں نے خود اپنے ملک میں درپیش تمام مسائل حل کر لئے ہوں، اس طرح کا اقدام ملک کے لئے کسی طرح مناسب نہ ہوگا، بلکہ وزیر اعظم کی پالیسی کے خلاف ہوگا کہ پڑوسیوں سے ہمارے تعلقات خوشگوار رہیں۔

"صفا" کا یہ دوسرا شمارہ ہے ——— بحمد اللہ "صفا" کو جس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور خواص و عوام نے جس طرح اس کی تحسین کی اور مضامین کی معنویت اور افادیت سے اس کی ظاہری آرائش تک سب کو پسند کیا۔ اس کے لئے ہم بارگاہِ الٰہی میں شکر گذار ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالٰے اس کے ظاہری و باطنی جمال میں اضافہ کرے۔

زیر نظر شمارہ خصوصی اشاعت ہے، جو حدیث سے متعلق ہے۔ اس میں اکثر مضامین فنِ حدیث اور محدثین کے بارے میں ہیں، حدیث کے ادبی مقام و اسلوب، صحاح ستہ کی فنی خصوصیات و امتیازات، اس کے مصنفین کے معیار تنقید و انتخاب، وضع حدیث کے تاریخی اور مذہبی محرکات و اسباب، نیز بعض مشہور علماء حدیث کے حالات و تذکرہ پر مشتمل اہم تحریریں قارئین اس میں پائیں گے، راقم الحروف کا مطبوعہ افتتاحیہ بھی شریکِ اشاعت ہے، اسلئے کہ اس میں سرسری طور پر علماء ہند کی خدمتِ حدیث کا ذکر اختصار اور جامعیت کے ساتھ آ گیا ہے۔ اسکے علاوہ فقہیات جو "صفا" کا خاص امتیاز ہے، سے بھی قارئین محروم نہیں رہیں گے۔ اس خصوصی شمارہ کی اشاعت و ترتیب اس مناسبت سے ہے کہ ۱۴۰۸ھ جس میں دار العلوم سبیل السلام اپنی عمر کے پندرہ سال مکمل کر رہا ہے اور اب مورخہ ۴ ذو قعدہ ۱۴۰۸ھ کو دورۂ حدیث کا افتتاح عمل میں آ رہا ہے، اس ضمن میں تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں، قارئین دعا فرمائیں کہ آپ کا یہ مدرسہ علوم اسلامی کا چشمۂ حیوان ثابت ہو اور اس کے فیضان کو بقاء دوام حاصل ہو۔ واللہ الموفق والمستعان۔

محمد رضوان القاسمی

۲ ذو قعدہ ۱۴۰۸ھ روز جمعہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اصلاح و تجدید کی تحریکوں میں

حدیث و سنت کا بنیادی حصہ

حدیث نبوی ایک ایسی صحیح میزان ہے، جس میں ہر دور کے مُصلحین و مُجدّدین اس اُمت کے اعمال و عقائد، رجحانات و خیالات کو تول سکتے ہیں، اور اُمت کے طویل تاریخی و عالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات و انحرافات سے واقف ہو سکے، اخلاق و اعمال میں کامل اعتدال و توازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر حدیث نبویؐ کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اور وہ حکیمانہ نبویؐ تعلیمات نہ ہوتیں، اور یہ احکام نہ ہوتے، جن کی پابندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی تو یہ اُمّت افراط و تفریط کا شکار ہو کر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی، جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۔ ۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اُسوۂ حسنہ ہے۔ اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران ۔ ۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے، جس کی انسانوں کو ضرورت ہے۔ اور جس سے وہ زندگی اور قوت و اعتماد حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان ہے، بلکہ ایک امر واقعہ۔

حدیث نبویؐ زندگی، قوت اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے اور ہمیشہ اصلاح و تجدید کے کام فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آرا، اور برسرِ جنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے

پر ابھارتی رہی ہے، اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا۔ کفن بر دوش ہوکر میدان میں آئے اور بدعتوں اور خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیثِ نبوی اُمتِ اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب و تدوین، حفظ اور نشر و اشاعت کے بغیر اُمّت کا یہ دینی و ذہنی، عملی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

سنّتِ نبویؐ اور حدیثِ نبویؐ کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید اور اُمّت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انھیں سے اصلاح کا بیڑا اُٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انھیں احادیث سے انھوں نے استدلال کیا اور دین و اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی۔ بدعتوں، فتنوں اور شر و فساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوت محرکہ و دافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلامِ کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے، اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اُسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات، نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنّت کی کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی، اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت، نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مُربّیوں کی کثرت دنیا میں زہد اختیار کرنے اور کسی حد تک سنّت پر عمل کرنے کے باوجود اس مسلم معاشرہ میں جو علوم اسلامیہ کے ماہرین اور فلسفہ و حکمت کے اساتذہ فن اور ادباء و شعرائے مالامال تھا اور اسلام کے قوت و غلبہ اور مسلمانوں کی حکمرانی میں زندگی گذار رہا تھا، نت نئی بدعتوں عجمی رسم و رواج اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلّط قائم کر دیا۔ یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس بن جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی اور حدیث حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ لَتَتبَعُنَّ سنن من کان قبلکم شِبراً بِشِبرٍ و ذراعاً بذراعٍ (مستدرک حاکم) تم پچھلی اُمّتوں کے راستوں پر

قدم بہ قدم چلو گے۔ اس وقت اصلاح کی آواز خاموش اور علم کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے، جب کہ برِصغیر ہند کے علمی و دینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنّت کے صحیح مآخذ و مراجع سے تعلق تقریباً منقطع ہو گیا تھا، علم دین کے مراکز اور حجاز و یمن، مصر و شام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا درس ہوتا تھا، کوئی رابطہ نہ تھا اور کُتبِ فِقہ، اصول اور ان کی شروح اور فقہی باریکیوں اور موشگافیوں اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، بہ آسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دَور دورہ تھا، منکرات عام ہو گئے تھے، اور عبادتوں اور تقرّب اِلی اللہ کی کتنی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے۔

راقم الحروف نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصہ چہارم میں دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور و مقبول شیخ طریقت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی کتاب "جواہر خمسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریف کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی اور علّامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے (دسویں صدی ہجری میں) ہندوستان صِحاحِ سِتّہ اور ان مُصنّفین کی کتابوں سے ناآشنا تھا، جنھوں نے نقدِ حدیث اور ردِّ بدعت کا کام کیا اور سنّت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں اور تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جاسکتا ہے، جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیرے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نماز احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دُعائیں ہیں، جن کا حدیث و سنّت سے کوئی ثبوت نہیں ہے[۱]

---

۱ تاریخ دعوت و عزیمت حصہ چہارم ص ۲۴۴

یہ صرف "جواہر خمسہ" کی خصوصیت نہیں، بزرگوں کے ملفوظات کے غیر مستند مجموعوں میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی کا عام رواج تھا، قبروں کو کھلے طریقہ پر سجدہ گاہ بنالیا گیا تھا، ان پر چراغ جلائے جاتے تھے، چادریں چڑھائی جاتی تھیں، ان کے گرد وپیش کا ادب حرم مکی کی طرح کیا جاتا تھا، عرس وفاتحہ کے نام سے طرح طرح کے جشن منائے جاتے تھے جن میں بہت بڑی تعداد عورتوں کی ہوتی تھی، صلوٰۃِ غوثیہ، صلوٰۃ معکوس، نذر لغیر اللہ، اولیاء وصلحاء کے نام پر اور ان کی رضامندی کی نیت سے ذبح وقربانی، غیر اللہ کے نام پر روزہ اور ایسی کتنی بدعات (جن کے حدود شرک سے مل جاتے تھے) مقبول عام وخاص تھیں، اولیائے وصالحین کے ایام پیدائش ووفات پر جلسے کئے جاتے تھے اور میلے لگتے تھے۔

یہ صورتِ حال تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں امام ربّانی حضرت شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی مجدد الف ثانی (م ١٠٣٤ھ) جیسے ربّانی علماء اور ائمۂ مصلحین پیدا فرمائے [۱] جنھوں نے شعائر شرک اور غیر اسلامی ہندی رسم ورواج کا شدت سے مقابلہ کیا۔ بدعتِ حسنہ کی مطلقاً تردید کی، وحدۃ الوجود پر سخت نکیر کی، سنّت پر عمل اور بدعت سے کھلی ہوئی جنگ کی دعوت دی اور ایک موقعہ پر وہ تاریخی الفاظ تحریر فرمائے جو اس قابل ہیں کہ ان کو بار بار نقل کیا جائے:

مخدوما! فقیر را تابِ استماع امثال ایں سخناں نیست، بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل وتوجیہ آں نمی دہد۔ قائل آں سخناں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکارست نہ کلام محی الدین ابن عربی وصدر الدین قونوی وعبد الرزاق کاشی	مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی ضرورت ہے نہ کہ محی الدین بن عربی، صدر الدین قونوی، عبد الرزاق کاشی کے کلام کی،

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" حصہ چہارم ص ٢٣٩ - ٢٥٣

مارا بنص کاریست نہ "بفص" فتوحات مدینہ از "فتوحات مکیہ" مستغنی ساختہ است	ہمیں نصوص کی ضرورت ہے نہ کہ فصوص کی، فتوحات مدینہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کردیا ہے۔

ان ہی کے معاصر محدّث جلیل شیخ عبدالحق (ابن سیف الدین بخاری) دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے ہندوستان میں حدیث شریف کی نشر و اشاعت اور اس کی شرح و تدریس میں اپنی ساری کوششیں صرف کیں [۱] ان دونوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) اور ان کے مشہور اور نادرہ روزگار فرزندوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم، صحیح اسلامی عقائد کے بیان اور دین خالص کی دعوت کی ذمہ داری سنبھالی اور صحاح ستّہ کی تدریس، نشر و اشاعت اور تعلیمی نصاب میں ان کو جگہ دینے کے سلسلے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، یہاں تک کہ مرکز اسلام سے ہزاروں میل دُور اس عجمی ملک میں حدیث کا بازار ایسا گرم ہوا اور یہ علاقہ طالبانِ علوم حدیث کا ایسا مرکز و مرجع بن گیا کہ دُور دراز کے ممالک اور خود بلادِ عربیہ سے علم حدیث کے شائقین و طالبین نے یہاں آکر فن حدیث کی تحصیل و تکمیل کی۔ [۲]

تیرھویں صدی کے پورے عالم اسلام میں اصلاح و تجدید کی سب سے زیادہ طاقتور اور مؤثر تحریکیں ہندوستان میں ظہور پذیر ہوئیں، قارئین کے لئے صرف حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی ہمہ گیر تحریک [۳] کا مطالعہ کافی ہوگا۔ جس نے اس ملک کو ایک نئے ملک اور اس قوم کو ایک نئی قوم میں تبدیل کردیا اور جس کی بدولت ایمان و حمیتِ اسلامی جوش و ولولہ، جہاد، دین حنیف اور صحیح اسلامی عقائد کی دعوت کی ایسی تیز جاں فزا اور رُوح پرور ہوائیں چلیں، جن سے قرون اولیٰ اور

---

[۱] ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۵ یا حیات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی

[۲] ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر ج ۶، ۷

[۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مؤلف کی تصنیفات "سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ" ج ۱۔۲ جب ایمان کی بہار آئی یا رسالہ "تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" اور غلام رسول مہرؔ کی تصنیف "سید احمد شہیدؒ"

عہد صحابہؓ کی یاد تازہ ہوگئی، دین خالص کی اس دعوت اور اصلاحی تحریک نے کتنی ہی مُردہ سُنّتوں کو زندہ کیا اور کتنی بدعات وخرافات اور جاہلی عادات کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا جو مسلم معاشرہ اور مسلمانوں کی طبیعتوں میں رچ بس گئی تھیں۔ ان کے بعد ان کے خلفاؒ اور ان کے خلفاؒ کے خلفاؒ نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔[۱] یہ سب کچھ سنّت کے اثر اور حدیث نبویؐ کی نشر واشاعت کے طفیل ہوا پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگر علمائے اسلام کی دسترس میں کتب حدیث نہ ہوتیں اور سنّتوں و بدعتوں میں تفریق وامتیاز کا یہ معتبر و سہل ذریعہ نہ ہوتا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) کے عہد سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب (م ۱۲۰۶ھ) کے عہد تک مصلحین اُمّت اور دینِ خالص کے مبلغین کا یہ سلسلہ وجود میں نہ آتا، مصلحین روزگار اور تصحیح عقائد واصلاح رسوم کے علمبردار نظر نہ آتے جن میں سے چند کے (بطور مثال) نام پیش کئے جاتے ہیں:

علامہ محمد بن علی شوکانی (م ۱۲۵۵ھ) امیر محمد بن اسماعیل صنعانی (م ۱۱۸۲ھ) احمد بن عبداللہ ادریس حسنی (م ۱۲۹۳ھ) مولانا عبداللہ غزنوی امرتسری (شیخ محمد اعظم کابلی) (م ۱۲۹۸ھ) مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادیؒ (م ۱۲۸۹ھ) مولانا غلام رسول (قلعہ میہان سنگھ پنجاب) (م ۱۲۹۱ھ) مولانا رشید احمد گنگوہی (م ۱۳۲۳ھ) مولانا حسین علی ساکن واں بچھراں ضلع میانوالی (م ۱۳۶۳ھ)[۲] اور مولانا اشرف علی تھانویؒ (م ۱۳۶۲ھ) جن کے نام اور کام سے پچھلی اسلامی تاریخ منور و مُعطّر ہے۔

اسی شب و روز کے اشتغال بالحدیث اور اس کو زندگی کے مسائل وحکم اور قول فیصل ماننے کا نتیجہ تھا کہ حضرت شاہ محمد اسحاقؒ (ابن محمد افضل دہلوی۔ متوفی ۱۲۷۲ھ) نے جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور درس وتدریس حدیث میں ان کے جانشین برحق تھے۔ سنہ ۱۲۵۵ھ میں ایک طالب حق رئیس محمد زماں خاں صاحب رئیس بھیکم پور (علی گڑھ) کے استفسارات کے جواب میں "مسائل اربعین فی بیان سنۃ سید المرسلین" کے نام سے فارسی میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا[۳] جس میں شادی وغمی

---

[۱] ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "کاروان ایمان وعزیمت" شائع کردہ سید احمد اکیڈمی، لاہور

[۲] مذکورہ بالا حضرات کے حالات وخدمات کے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر ج ۷، ۸

[۳] یہ رسالہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے، اور پہلی مرتبہ سنہ ۱۳۱۲ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا۔ اس میں چالیس رسوم مروجہ کے بارے میں حکم شرعی بیان کیا گیا ہے۔

کی ہندوانہ رسوم اور بدعات مروجہ ہندوستان کی (جوزیادہ تر تقریبات سے تعلق رکھتی ہیں) واضح اور فیصلہ کن انداز میں تردید فرمائی گئی، اس کتاب سے اس وقت کے ہندوستانی مسلم معاشرہ کو بڑا فائدہ پہنچا اور بہت سے خاندانوں نے اس کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا لیا اور تقریبات شادی و غمی کے موقع پر سُنّت و شریعت کے احکام کی پابندی اختیار کی۔

اس سے پیشتر مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے "ایضاح الحق فی احکام المیت والضریح" کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا جو سُنّت و بدعت کی علمی تعریف و تشریح کے موضوع پر بہترین رسائل و کتب میں شمار ہونے کے قابل ہے لیکن اس کا طرز محققانہ عالمانہ اور اصولی ہے اور اس سے اونچے پائے کے اہل علم ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ "مسائل اربعین" زیادہ عام فہم ہے اور اس کا تعلق ان بدعات و رسوم سے ہے جو اس وقت کے مسلم معاشرے میں عام تھیں، اور روزمرہ کی زندگی میں داخل ہو چکی تھیں۔

یہی حال دوسرے عرب ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر و مراکش اور عجمی ممالک افغانستان اور ترکستان وغیرہ کا ہے۔

دسویں اور گیارھویں ہجری میں افغانستان (کابل و ہرات وغزنی) کے علماء کے حالات پڑھئے۔ اور ان کی تصنیفات دیکھئے، حمایت، سُنّت، و ردّ بدعت، علمی تحقیق اور مسائل کی تنقیح کا رنگ بہت کم نظر آئے گا۔ دفعتہً علامہ ملا علی قاری (علی بن سلطان محمد ہروی م ۱۰۱۴ھ) کی شخصیت سامنے آتی ہے جنھوں نے حجاز جا کر وہاں کے محدثین عظام اور اساتذہ کبار سے کتب حدیث کا درس لیا اور اس میں کمال پیدا کیا۔ کتب حدیث و فقہ کی شرح، مسائل کی ترجیح اور اپنے زمانہ کی بعض بدعات کی بلا رو رعایت تردید میں ان کا یہ مصلحانہ و محققانہ رنگ صاف جھلکتا ہے، ان کو ان کے مطالعہ و تحقیق اور حق گوئی اور انصاف پسندی نے اس مقام تک پہونچا دیا کہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی حمایت کی اور اس کی شہادت دی کہ وہ اکابر اہل سنّت و جماعت اور اولیائے اُمّت میں سے تھے۔[۱] عراق میں علامہ شہاب الدین السید محمود الآلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) صاحب "تفسیر روح المعانی" اور ان کے پوتے محمود شکری بن عبداللہ بن شہاب الدین آلوسی (م ۱۳۴۲ھ) کا رنگ اپنے عہد کے علمائے عراق میں امتیازی درس و مطالعہ حدیث

---

[۱] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص۴۷

کے اثر سے بالکل مختلف و ممتاز نظر آتا ہے، شام میں علامہ جمال الدین القاسمی (۱۲۸۳ - ۱۳۳۲ھ) مصنف "قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث" و "تفسیر قاسمی" (۱ - ۱۲) کے اصلاحی رنگ کا اندازہ "اصلاح المساجد من البدع والعوائد" سے ہو سکتا ہے، وہ اپنے ہمعصر و ہم وطن علمائیں (جن کا تمام تر اشتغال فقہ و علوم حکمت و ادب و تاریخ سے تھا۔) ممتاز نظر آتے ہیں مصر میں جامع ازہر اور علمائے کبار کی موجودگی میں (جن کا علم حدیث سے اشتغال بہت کم رہ گیا تھا[1]) بدعات کا عام شیوع تھا، مجلس میلاد، مولدِ حسینؓ۔ مجالس تعزیت و فاتحہ خوانی (ماتم) اور صوفیہ و مشائخ کے حلقوں میں بیسیوں منکرات رائج تھے اور بیشتر علمائے سکوت سے کام لیتے تھے، لیکن حدیث کے اثر اور سنت کی قوت تسخیر نے مصر کے ایک عالم اور ازہر کے ایک استاد شیخ محمود خطاب سبکی[2] کو پیدا کیا (۱۲۷۴ - ۱۳۵۲ھ) جنھوں نے مصر میں علم اصلاح بلند کیا، بدعات و منکرات کی تردید کا منظم کام شروع کیا اور اس مقصد کے لئے سنہ ۱۳۳۲ھ میں ایک جمعیت قائم کی جس کا نام "الجمعیۃ الشرعیۃ لتعاون العاملین بالکتاب والسنۃ المحمدیۃ تھا، واعظ اور مبلغ تیار کئے، جنھوں نے مصر کے قصبات اور دیہاتوں کا دورہ کیا۔ مصر کی مساجد سے ان بدعات اور نئی نئی باتوں کو خارج کیا جو مساجد کا ایک لازمہ بن گئی تھیں اور سنت کے مطابق عبادات و فرائض کو ادا کرنے کا رواج عام کیا، خود[3]

خود ہندوستان میں علمائے فرنگی محل میں (جن کا علمی تبحر مسلم ہے اور جن کا ترتیب دیا ہوا نصاب ہندوستان افغانستان و ترکستان میں آج تک مقبول و رائج ہے) فخر المتاخرین مولانا عبد الحی فرنگی محل (م ۱۳۰۴ھ) کا (رسوم مروجہ اور بدعات کے بارے میں) رنگ الگ نظر آتا ہے۔ جس کے نمونے ان کے فتاوے میں دیکھے جا سکتے ہیں اور یہ ان کے اشتغال بالحدیث اور تدریس و خدمت کتب حدیث کا نتیجہ ہے، وہ خود تحدیث بالنعمہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا انعام تھا کہ اس نے مجھے فن حدیث و

---

[1] علامہ رشید رضا مصری نے "مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "دسویں صدی ہجری کے بعد سے مصر و شام و عراق میں علم حدیث میں بڑا انحطاط آگیا تھا اور چودھویں صدی ہجری میں تو یہ انحطاط اپنے آخری مرحلہ پر پہنچ گیا تھا۔ (مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ ص ر ق)

[2] حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مذکرات سائح فی الشرق العربی ص ۲۳ - ۲۵

[3] اپنے نے اپنے سفر مصر سنہ ۱۹۵۱ء میں ان کی کوششوں کے اثرات دیکھے، اور ان کے تربیت یافتہ اصحاب، اور خود ان کے صاحبزادہ شیخ امین خطاب سے ملاقات کی (ملاحظہ ہو "شرق اوسط کی ڈائری")

فقہ حدیث کی طرف خصوصی توجہ کی توفیق عطا فرمائی [۱]

حدیث و سنّت کی بدولت حیاتِ طیّبہ کا امتداد و تسلسل اس وقت تک باقی رہا۔ اور اُمّت کو اپنے ہر دَور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری نہیں رہا، بلکہ ذوق و مزاج میں بھی توارث کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہدِ صحابہ کا "مزاج و مذاق" ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور اُمّت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا، جب وہ "مزاج و مذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دَور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرامؓ کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع و احتساب نفس، وہی شوق آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباعِ سنّت، جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے۔ یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے، جنھوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبویؐ سے حصہ پایا ہو، اُمّت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے۔

جب تک کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری۔ اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنّت کا اثر رسم و رواج پر، روحانیت کا اثر مادّیت پر غالب ہے، باقی رہے گا اور کبھی اس اُمّت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادّیت، انکار آخرت، اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس اُمّت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گے اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنّت و شریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی جو لوگ اُمّت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک و ارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اُمّت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور

---

[۱] نافع الکبیر صد ۱۵۴

اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس اُمّت کو اسی طرح سے "محروم الارث" "منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا۔ اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں، تو ان سے بڑھ کر اس اُمّت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ پھر اس "مزاج و مذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرامؓ کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہِ راست صحبتِ نبویؐ سے پیدا ہو سکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیاتِ نبویؐ کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے، اور جس میں عہد نبویؐ کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

بقیہ صفحہ ۸۰ (خبرنامہ)

○ منتہی کتب کی تعلیم کیلئے مدرسہ نے اس سال متعدد تجربہ کار و کہنہ مشق اساتذہ کی خدمات حاصل کی ہیں، فقہ و حدیث کے مشہور عالم اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام مرتبہ "مسلم پرسنل لا" کے فاضل مدون و مرتب، سابق شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو (اعظم گڈھ) حضرت مولانا زبیر احمد صاحب ۲۵ سال سے تدریس میں مشغول، سابق استاذ حدیث جامعہ رحمانی مونگیر حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب قاسمی، مناظر اسلام استاذ الاساتذہ حضرت مولانا برکت اللہ صاحب قاسمی (کریم نگر) مدرسہ کے تدریسی شعبہ سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ شعبۂ حفظ اور ادب عربی کیلئے بھی بعض لائق اساتذہ کا تقرر عمل میں آیا ہے اسطرح توقع ہے کہ اپنے تعلیمی و تربیتی معیار کے لحاظ سے یہ مدرسہ مزید پیش رفت کریگا۔ و باللہ التوفیق۔

○ مورخہ ۲۸ رشوال ۱۴۰۸ھ شنبہ کو بعد نماز ظہر مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کے زیر صدارت خواتین کی اقامتی دینی درسگاہ مدرسہ عائشہ (نسواں) داراب جنگ کالونی کا افتتاحی اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس سے مولانا موصوف کے علاوہ حضرت مولانا زبیر احمد صاحب (شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام)، مولانا مفتی عبدالودود صاحب استاذ حدیث و مفتی مدرسہ ہذا نے بھی خطاب کیا، مولانا خواجہ نذیر الدین ناظم مدرسہ عائشہ کے شکریہ پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

احادیث نبویؐ کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کا عظیم الشان منصوبہ

عربی سے ترجمہ

ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی ۱۹۳۲ء میں مئو ضلع اعظم گڈھ (یوپی) میں پیدا ہوئے، ۱۹۵۲ء میں دیوبند سے فراغت پائی، پھر مصر گئے اور ۱۹۵۵ء میں جامع ازہر مصر سے عربی میں تخصص کی ڈگری حاصل کی، ۱۹۵۶ء میں قطر میں غیر عربوں کو عربی تعلیم دینے کے لئے مقرر ہوئے، ۱۹۵۷ء میں دارالکتب قطر کے لائبریرین بنائے گئے، ۱۹۶۴ء میں کیمبرج یونیورسٹی (برطانیہ) میں داخلہ لیا، ۱۹۶۶ء میں حدیث کے موضوع پر ایک قیمتی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اس مقالہ میں گو مستشرقین کی تنقیدوں کا جواب دیا گیا ہے، مگر ممتاز محقق پروفیسر آرمیری اور دوسرے مستشرقین نے مقالہ کی علمی قدر و قیمت کا اعتراف کیا۔

۱۹۶۸ء میں کلیۃ الشریعۃ مکہ مکرمہ میں ایم، اے کے استاذ مقرر ہوئے، ۱۹۷۳ء میں ریاض یونیورسٹی چلے گئے اور ٹریننگ کالج میں استاذ مقرر ہوئے اور اب تک اسی خدمت پر مامور ہیں۔ اس وقت فن حدیث کے ماہرین اور اس موضوع پر چند گنے چنے ممتاز کام کرنے والوں میں ڈاکٹر اعظمی بھی ہیں، انہوں نے ہی صحیح ابن خزیمہ کے مخطوطہ کو دریافت کیا اور چار جلدوں میں اپنی تحقیق کے ساتھ شائع کیا، ابن مدینی کی "کتاب العلل" کو ایڈٹ کیا ——— کتاب التمیز پر تحقیق کے علاوہ اس پر نہایت بیش قیمت مقدمہ "منہج النقد عند المحدثین" کے عنوان سے لکھا، حدیث کی حفاظت و تدوین کے موضوع پر آپ کی نہایت اہم تحریر "دراسات فی الحدیث النبوی"

وتاریخ تدوینہ" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، حدیث ہی کے موضوع پر آپ کی دو تین کتابیں انگریزی میں بھی چھپ چکی ہیں ——— ان تمام کاموں کے علاوہ آپ کا اہم ترین کام حدیث کو کمپیوٹرائز کرنے اور اس کا انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کا ہے، جو اس وقت زیر تکمیل ہے، یہ ایک تاریخی اور یادگار کارنامہ ہوگا۔ ذیل میں ڈاکٹر صاحب کے اس پروگرام کے بارے میں وضاحت ہے، امید ہے کہ اہل علم و اہل ذوق اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔" (ادارہ)

قرآن اور حدیث مسلمانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا بنیادی سرچشمہ ہیں اور قانونِ شریعت کے اساسی مآخذ بھی، ہمارے مفسرین اور محدثین نے ایک طرف تفسیر قرآن و تحقیقِ حدیث میں اپنی عمریں کھپائی ہیں اور دوسری طرف انہوں نے عام مسلمانوں کی سہولت اور استفادے کے لئے ان ماخذوں تک رسائی کو آسان سے آسان تر بنانے پر بھی پوری توجہ دی ہے، محقق ہو یا مبتدی، ان دونوں کی بنیادی ضرورت کم سے کم وقت میں مطلوبہ حوالے تک رسائی ہے۔

قرآنِ حکیم سے کسی مطلوبہ آیت تک رسائی کے لئے یا ایک ہی مضمون سے متعلق مختلف آیات کی تلاش کے لئے پہلے تمام تر انحصار حفاظ پر کیا جاتا تھا، لیکن تبویبِ قرآن کی کوششوں اور پھر مولانا مودودیؒ کی تفہیم القرآن میں دئے گئے انڈکس جیسی علمی کاوشوں نے ایک عام قاری کے لئے بھی کسی آیت یا ایک ہی مسئلہ اور موضوع سے متعلق تمام آیات تک پہونچنا آسان بنا دیا۔

اس سلسلے کا اہم ترین کام مصر کے محمد فواد عبد الباقی نے المعجم المفہرس للالفاظ القرآن الکریم مرتب کرکے انجام دیا، اس کے ذریعہ یہ سہولت میسر آگئی کہ اگر کسی کو متعلقہ آیت کا صرف ایک لفظ یاد ہے تو اس کی مدد سے وہ نہ صرف اس آیت کو، بلکہ ایسی تمام آیات کو چند منٹ میں تلاش کر سکتا ہے، جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس معجم الفہرس نے محققین اور مبتدئین سب ہی کو غیر معمولی مدد اور سہولت بہم پہونچائی ہے۔

اسی نوعیت کا ایک بلند پایہ تحقیقی کارنامہ حدیث کے سلسلے میں انجام دیا گیا، لیکن اس کی سعادت جرمن محقق اے، جے، ونسنک کے حصے میں آئی، جنہوں نے ۱۹۳۶ء میں

صحاح ستہ کو دس ضخیم جلدوں میں اس طرح مرتب کیا کہ ایک موضوع سے متعلق احادیث اپنے دوسرے تمام ماخذوں سے مربوط ہو کر یک جا ہو گئیں۔

آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے، کمپیوٹر نے علم کی دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے، یہ معلومات کے ذخائر حسب ضرورت اور حسب منشا چند سکنڈ میں نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے، اس جدید فنی سہولت کی کرشمہ سازیاں دیکھ کر سعودی عرب میں مقیم ایک بلند پایہ ہندوستانی عالم، محقق اور محدث ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی صاحب کو اب سے تقریباً دس بارہ سال قبل یہ خیال آیا کہ صحاح ستہ کو کیوں نہ کمپیوٹر میں منتقل کر دیا جائے؛ یہ خیال درحقیقت اس عظیم کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے انتخاب کا اشارہ تھا، کیونکہ اس میں وہ جملہ صلاحیتیں پہلے سے موجود تھیں جو اس کام کی انجام دہی کے لئے ضروری تھیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس منصوبے کو روبہ عمل لانے کا بیڑا اٹھایا تو پھر انہیں دنیا و مافیہا کا ہوش نہ آیا، وہ تن من دھن سے کام پر لگ گئے، کمپیوٹر کے استعمال میں کسی کو مددگار بنانے کی بجائے اس پر خود کامل دسترس حاصل کی، اس سلسلے میں امریکہ اور دیگر ممالک کے دورے کئے، اپنی ذاتی کمائی اس کام پر لگائی اور اپنے گھر کو ایک عظیم لائبریری اور لیباٹری میں تبدیل کر دیا۔

ڈاکٹر صاحب سے میری پہلی ملاقات دہران میں ڈاکٹر ظفر الحق انصاری صاحب کے ہاں غالباً ۱۹۷۸ء میں ہوئی، اس وقت تک وہ اپنی منزل کی جانب خاصی پیش رفت کر چکے تھے، لیکن ان کا قیام چونکہ ریاض میں تھا، اسلئے مجھے براہ راست ان کے مشاہدے کا موقع نہ مل سکا، بعد ازاں دو تین بار ریاض جانا ہوا، مگر ڈاکٹر صاحب کے بیرون ملک سفر کی وجہ سے وہاں ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ۱۴۰۰ھ میں انہیں اپنے تحقیقی کام پر شاہ فیصل ایوارڈ ملا تو ان سے ملاقات کی خواہش مزید شدت اختیار کر گئی، نومبر میں مصر اور سعودی عرب جانے کا اتفاق ہوا تو خوش قسمتی سے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا موقع بھی مل گیا ان سے جمعہ ۲۲ نومبر کو شاہ سعود یونیورسٹی ریاض میں ان کی قیام گاہ پر ملاقات ہوئی، ڈاکٹر صاحب نے اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے کمپیوٹروں کو حرکت میں لا کر اپنے زیر تدوین کام کے طریقۂ کار کی وضاحت کی، اب تک جو کام ہو چکا ہے، اس کی تفصیلات بتائیں،

اور آئندہ کے منصوبے پر روشنی ڈالی۔

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی شاہ سعود یونیورسٹی ریاض میں حدیثِ نبویؐ کے پروفیسر ہیں اور حدیث کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں، ان کی تمام تر توجہات کمپیوٹر کو خدمتِ حدیث کے لئے استعمال کرنے پر مرکوز ہیں، وہ اپنی کوششوں میں الحمدللہ کافی حد تک کامیاب ہو چکے ہیں، ان کی پہلی عظیم القدر کامیابی سنن ابن ماجہ کا جدید ایڈیشن شائع کرنا ہے جس میں کئی تفصیلی فہرستیں دی گئی ہیں، چنانچہ ایک فہرست کتاب میں مستعمل تمام الفاظ و کلمات پر مشتمل ہے، ایک انڈکس مقامات کے متعلق ہے، ایک فہرست میں کتاب میں وارد ہونے والے تمام اسماء آگئے ہیں۔

حدیثِ نبویؐ میں کمپیوٹر کے استعمال کے سلسلے میں اگرچہ بعض دیگر حضرات نے بھی بہت سے منصوبے بنائے ہیں، تاہم پروفیسر ڈاکٹر محمد مصطفےٰ اعظمی صاحب کو اس میدان میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔

حدیثِ نبویؐ کے لئے کمپیوٹر کے استعمال کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا:

کمپیوٹر پر اس کی مخصوص تکنیک کے مطابق ہی کام کرنا پڑتا ہے، چنانچہ میں نے بھی اس سلسلے میں اپنے کام کی نوعیت کو کمپیوٹر سسٹم کے لحاظ سے ہی محدود کیا ہے، میں جس منصوبہ پر کام کر رہا ہوں اس سے انشاء اللہ مندرجۂ ذیل حضرات کی ضروریات پوری ہوں گی:

محدثین ــــــ فقہاء ــــــ محققین ــــــ اور عام تعلیم یافتہ حضرات۔

محدثین کی ضروریات

اس مختصر جواب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جہاں تک محدثین کا تعلق ہے تو میرے خیال میں عام طور پر ان کو مندرجہ ذیل معلومات کی ضرورت پڑتی ہے:

۱۔ متعلقہ حدیث کو کس نے بیان کیا ہے؟

۲- اس میں اور کون کون سے محدثین اس کے ساتھ ہیں؟

۳- اس حدیث کے شواہد کیا ہیں؟

۴- کیا اس حدیث میں کوئی ایسا عیب (علت) ہے، جس کی وجہ سے حدیث عیب دار ہو جاتی ہے؟

۵- آیا خود حدیث کے متن میں تو کوئی شاذ بات نہیں ہے؟

۶- اسناد میں مذکورہ راویوں کا ثقہ یا مجروح ہونے کے لحاظ سے کیا مقام ہے؟

۷- احادیث پر تنقید کے اصولوں کی روشنی میں متعلقہ حدیث کا کیا حکم ہے؟

۸- ایا کسی امام نے اس حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر گفتگو کی ہے؟

ان تمام سوالات کے جوابات تین بنیادی نکات پر موقوف ہیں:

۱- متعلقہ حدیث اور اس سے ملتی جلتی تمام احادیث اور ان کے شواہد کا علم ہو اور یہ حتمی طور پر معلوم ہو کہ وہ کن کن مقامات پر ہیں۔

۲ اسانید میں مذکور ہر راوی کے بارے میں جو کچھ ائمۂ جرح و تعدیل نے بحث کی ہے اس کا علم ہو

۳ محدثین کرام نے اس حدیث پر کیا حکم لگایا ہے، اس کی معرفت۔

فقہاء اور محققین کی ضروریات

۱- ایک خاص موضوع کے متعلق تمام احادیث تک دسترس۔

۲- ان احادیث کے مرتبہ اور درجہ کا علم۔

۳- فقہی احکام و مسائل کے استنباط کی غرض سے متقدمین، فقہاء اور محققین نے اس حدیث کو کس طرح سمجھا

لہٰذا محدث کی ضروریات کے علاوہ فقیہہ اور محقق کی ضروریات کے پیش نظر ضروری ہے کہ ہم اس حدیث کی تشریح و تفصیل سے واقف ہوں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ ائمۂ کرام نے اس حدیث سے کن کن احکام کا استنباط کیا ہے؟

مندرجہ بالا اغراض و مقاصد کی روشنی میں اپنے منصوبے کو میں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے :-

۱- پہلے حصے کا تعلق تمام احادیث سے ہے، ان کے حوالے، اور ان کی متابعات اور شواہد سب ایک انسائیکلوپیڈیا میں جمع ہوں اور ان کی درجہ بندی بھی کر دی گئی ہو، اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک حدیث کے متعلق یہ بتایا جائے کہ سابقہ (متقدمین) محدثین نے اس حدیث کو کیسے سمجھا ہے؟ ان تمام حضرات کے تفقہ اور تدبر کو یک جا کر دیا جائے۔

۲- دوسرے حصہ میں تمام راویوں کے حالات بیان ہوں، تاکہ اسناد کے متعلق فیصلہ کرنے میں سہولت ہو۔

لہٰذا یہ منصوبہ دو بڑی قسموں پر مشتمل ہوگا :

أ- احادیث کا انسائیکلوپیڈیا۔

ب- رجال (اشخاص) کا انسائیکلوپیڈیا۔

میں مؤخر الذکر یعنی رجال کے انسائیکلوپیڈیا سے بات شروع کرتا ہوں، یہ تو واضح ہے کہ دائرۃ المعارف کا مواد راویوں کے حالاتِ زندگی اور جرح و تعدیل کی کتابوں پر مشتمل ہے۔ جہاں تک حالاتِ زندگی کی کتابوں کا تعلق ہے، ان میں سے کچھ تو چھپ چکی ہیں، جیسے :

۱- الطبقات الکبریٰ لابن سعدؒ۔

۲- طبقات خلیفۃ بن خیاطؒ۔

۳- التاریخ والعلل لاحمد بن حنبلؒ۔

۴- تاریخ الکبیر للبخاریؒ۔

۵- الجرح والتعدیل للرازیؒ۔

۶- تاریخ بغداد للخطیب بغدادیؒ۔

۷- الثقات لابن حبانؒ۔

۸- تہذیب التہذیب لابن حجرؒ۔

۹- تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ۔

۱۰- میزان الاعتدال للذہبیؒ۔

اور ان کے علاوہ چند مزید کتابیں۔

اسی طرح جو کتابیں ابھی تک زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں، وہ بھی بہت سی ہیں، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جس قدر بھی ہو سکے غیر مطبوعہ اہم کتب تراجم کو طبع کیا جائے، پھر ان تمام منتشر معلومات کو اکٹھا کر کے ہر راوی کے الگ الگ حالاتِ زندگی قلم بند کئے جائیں، میں اس کی وضاحت میں عرض کروں گا کہ مثلاً ہم ایک راوی الزری کو لیتے ہیں، جب ہم ان کے حالاتِ زندگی جاننے کے لئے مختلف کتب اسماء الرجال کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو ایک کتاب میں ہمیں ان کے کچھ شاگردوں کا ذکر ملتا ہے۔ دوسری کتاب میں ان شاگردوں کا تو کوئی تذکرہ نہیں، البتہ ان کے علاوہ کچھ اور شاگردوں کا پتہ چلتا ہے، پھر ہم ہر کتاب میں راوی کے بارے میں ائمہ اعلام کے ریمارکس کی تکرار پاتے ہیں، جن کے ساتھ کچھ نئی معلومات بھی مل جاتی ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ ہر راوی کا تذکرہ یک جا کیا جائے، جو اس کے متعلق جملہ معلومات کو محیط ہو۔ بہرکیف یہ موضوع میرے پروگرام میں شامل نہیں ہے، البتہ مجھے پتہ چلا ہے کہ اردن یونیورسٹی میں یہ منصوبہ زیرِ غور ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

احادیث کا انسائیکلوپیڈیا

بدقسمتی سے اب تک حدیث کی تمام کتابیں طبع نہیں ہو سکیں، پھر ان میں سے جو چھپ چکی ہیں، ان پر بہت کم علمی تحقیق ہوئی ہے، اگر ہم چاہیں کہ تمام احادیث کو ایک انسائیکلوپیڈیا میں اکٹھا کر دیں تو ہمیں حدیث کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کو یک جا کرنا ہوگا، پھر ہمیں ان کی سائنٹفک تحقیق کرنا ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طویل المیعاد کام ہے، لہٰذا میں نے اپنے منصوبے کو دو انسائیکلوپیڈیاؤں میں تقسیم کیا ہے۔

ا۔ احادیث کا مختصر انسائیکلو پیڈیا۔
ب۔ احادیث کا مفصل انسائیکلو پیڈیا (جس میں پہلی تین صدیوں کی فقہ بھی ہوگی)

میرے پروگرام کے مطابق احادیث کے مختصر دائرۃ المعارف میں مندرجہ ذیل کتابیں ہوں گی۔

۱۔ صحیح بخاری۔	۲۔ صحیح مسلم۔
۳۔ سنن النسائی۔	۴۔ سنن ابی داؤد۔
۵۔ سنن الترمذی۔	۶۔ سنن ابن ماجہ۔
۷۔ مسند ابن حنبلؒ۔	۸۔ مؤطا امام مالکؒ۔
۹۔ سنن الدارمی۔	۱۰۔ اتحاف السادہ للبوصیری۔
۱۱۔ المعجم الکبیر للطبرانی۔	

جہاں تک مفصل دائرۃ المعارف کا تعلق ہے تو ابھی یہ دور کی بات معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے میں فی الحال اس کی تفصیلات کو رہنے دیتا ہوں، کیونکہ مختصر دائرۃ المعارف پر ہی دو تین سال لگ جائیں گے۔

اب تک کی کارروائی

اب میں مختصراً اس کام کا کچھ تذکرہ کرنا چاہوں گا، جو بتوفیق الٰہی میں نے سرانجام دیا ہے نیز مستقبل قریب کے پروگرام سے بھی میں آگاہ کرنا چاہوں گا، میرا اصل ہدف تو وہی ہے جس کا میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے اور مجھے انشاء اللہ اس تک پہونچنا ہے۔

میں نے اس کار خیر کا آغاز ۱۳۹۷ھ میں کیا تھا۔ شروع شروع میں اس مقصد کے لئے کچھ مشینری خریدی جس کی تشکیل عربی کی بنیاد پر کی گئی تھی، سب سے پہلے میں نے مسند امام احمد بن حنبلؒ کو کمپیوٹر میں داخل کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس سلسلے میں سب سے اہم بات کمپیوٹر میں متن کا بھرنا ہوتا ہے اور میرا عزم یہ تھا کہ اب جب کہ میری ہمت جوان اور قویٰ مضبوط ہیں،

اپنے منصوبے کا آغاز ایک بڑی کتاب سے کروں، قبل اس کے کہ میں بڑھاپے کی عمر تک پہونچوں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا، مسند امام احمد کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کے دوران ہم کچھ سادہ سے تجربے کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

میں نے رمضان ۱۳۹۹ھ میں شاہ فیصل ایوارڈ کمیٹی کو ٹائپ رائیٹر پر لکھی گئی ایک کتاب پیش کی جس میں اس پراجیکٹ کی تفصیلات درج تھیں اور کمپیوٹر کی مدد سے جو عملی کامیابیاں ہوئی تھیں ان کے کچھ نمونے تھے، یہ کتاب میں نے اس کے علاوہ مختلف جگہوں پر بھیجی اور ماہرین سے گذارش کی کہ وہ اس سلسلے میں اپنی رائے اور مشورے سے آگاہ کریں۔

۱۴۰۰ھ میں مجھے شاہ فیصل ایوارڈ عطا کیا گیا۔ ایوارڈ کے ساتھ دیے گئے ڈپلومہ میں میری خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

> "کمپیوٹر کو سنتِ نبویؐ کی خدمت میں استعمال کرنے کا منصوبہ عربی زبان میں پہلا عملی تجربہ ہے، حدیث کی تعلیمات کے میدان میں کمپیوٹر کا استعمال ایک مستحسن قدم ہے، یہ ایک وسیع عمل ہے جس کی تکمیل میں بہت سا وقت اور محنت درکار ہوگی۔ بلاشبہہ جب یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہونچے گا تو نہایت مفید ثابت ہوگا، اس سے احادیث کے انسائیکلوپیڈیا کی تکمیل میں مدد ملے گی۔ احادیث کا انسائیکلوپیڈیا تیار کرنا بہت بڑا کارنامہ ہے، جس کی بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔"

بہرکیف ہم نے ۱۴۰۰ھ میں مکمل مسند امام احمد کمپیوٹر میں داخل کر دی، اس کے بعد ہم نے صحاح ستہ کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کا کام سرانجام دیا، یہ کام ۱۴۰۲ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ میں اس وقت امریکہ میں تھا، گذشتہ برسوں میں ہم نے متن اور کمپیوٹر کے لئے لکھائی کے پروگرام انڈکس کمپیوٹر میں ڈالے ہیں، اسی دوران ہم نے کچھ تجربے بھی کئے ہیں، انڈکسوں کا زیادہ تر کام امریکہ میں کیا گیا ہے۔

مطبوعہ کتبِ احادیث کا قلمی نسخوں سے موازنہ!

میں عام طور پر سوچا کرتا تھا کہ ہمارے ہاں جتنی بھی احادیث کی متداول کتابیں ملتی ہیں، ان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس قلمی نسخے سے لے کر طبع کی گئی ہیں؟ نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے محققین اور ناشرین نے انہیں کس مخطوطے سے لیا ہے؟ دوسری طرف یہ کتابیں بار بار چھپ رہی ہیں، مگر ان میں احادیث پر نمبر شمار نہیں لگائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے محرم ۱۴۰۰ھ میں منعقدہ سیرت و سنت کانفرنس میں تجویز پیش کی کہ کتب احادیث کی تحقیق و تفتیش کی جائے اور اس تحقیق میں عالمِ اسلام میں موجود بہترین مخطوطوں پر انحصار کیا جائے اور اس کے ساتھ احادیث پر نمبر لگانے کا ایک الگ مکمل نظام وضع کیا جائے اور متون کو کمپیوٹر میں داخل کرنے سے پہلے پہلے اس کام کو پورا کرنا ضروری ہے، مگر ایک فاضل مندوب نے میری اس تجویز کو نہایت مشکل اور ناقابلِ عمل قرار دیا اور کہا کہ بیک وقت دو مشکل کاموں کو شروع کرنے کی تجویز سراسر غیر مناسب ہے۔

جب میں نے مسند احمد اور صحاحِ ستہ کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کا کام مکمل کر لیا جو تقریباً بیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں تو میں نے ان تمام صفحات میں کمپیوٹر سے ہونے والی اغلاط کی تصحیح کی ذمہ داری سنبھالی، اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ کیوں نہ میں مطبوعہ مواد کا بہترین مخطوطوں سے موازنہ کروں، اس مقصد کے لئے مخطوطوں کا مطالعہ کرنا ضروری تھا، تاکہ ان میں سے بہترین کا انتخاب کیا جا سکے، اس کے بعد ان قلمی نسخوں کی فوٹو حاصل کرنے کا مرحلہ درپیش تھا

میں نے مائیکروفلم حاصل کرنے کی غرض سے کئی بار بیرونی ممالک کا سفر کیا، اس میں مجھے جو جانکاہ مشقتیں اٹھانی پڑیں، وہ تو میں نے اٹھائیں ہی، مگر للہ الحمد کہ میرے پاس مسند اور صحاحِ ستہ کی مائیکروفلموں کا ایک مجموعہ جمع ہو گیا، جن مخطوطوں کی فلمیں اتاری گئی ہیں، ان میں زیادہ تر کا تعلق پانچویں اور چھٹی صدی ہجری سے ہے اور نہایت لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طویل عرصہ بیت جانے کے باوجود ان مخطوطوں پر مشاہیر محدثین کرام کے

دستخط تک موجود ہیں، جیسے الصیرفی، ابن سعادہ، ابن الجوزی، ابن قدامہ، المقدسی، المزی، الذہبی، ابن البرزالی، وغیرہ (رحمہم اللہ اجمعین)

اب تک مکمل شدہ موازنہ

الحمدللہ کہ سنن ابن ماجہ اور ترمذی شریف پر نظرِ ثانی کا کام مکمل ہو چکا ہے، نیز ان دونوں کتابوں کے کمپیوٹر میں موجود متن کی تصحیح بھی ہو چکی ہے، سنن ابن ماجہ تو اس سے پہلے ہی چھپ چکی ہے، اس کا دوسرا ایڈیشن تصحیح کے بعد پریس میں جا چکا ہے، اسی طرح سنن ترمذی زیر طبع ہے اور میرا اندازہ ہے کہ یہ کتاب آٹھ ضخیم جلدوں میں چھپے گی، اس میں وہ فہرستیں بھی ہونگی جن کا سنن ابن ماجہ میں موقع ومحل نہیں تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری اور سنن ابوداؤد پر بھی نظرِ ثانی مکمل ہو چکی ہے، لیکن کمپیوٹر میں ان غلطیوں کی تصحیح ہونا ابھی باقی ہے، دوسری کتابوں پر بھی ہم جلد ہی نظر ثانی کریں گے اور پھر انشاء اللہ ان کی تصحیح کریں گے، تصحیح کے بعد کتاب طباعت کے لئے تیار ہوگی اور پھر آخر میں کمپیوٹر سے ان تمام کتابوں کی فوٹو لی جائے گی جس پر صرف چند دن لگیں گے۔

امید ہے کہ صحاحِ ستہ پر نظرِ ثانی اور ان کی جانچ پڑتال ۱۴۰۵ھ میں مکمل ہو جائے گی پھر میں مسند امام احمد بن حنبل پر نظرِ ثانی کا کام کروں گا جس پر ایک سال سے زیادہ مدت لگ جائے گی، اس کے ساتھ ساتھ نئے متون کو کمپیوٹر میں داخل کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

اس سلسلے میں ہم نے دو بڑی کتابوں پر کام شروع کر دیا ہے ——— اور وہ ہیں :-

۱- "اتحاف السادۃ فی زوائد العشرۃ" مولفہ امام بوصیریؒ، جو آٹھ جلدوں میں ہے۔

۲- طبرانی کی "المعجم الکبیر" جو بیس سے زیادہ جلدوں پر مشتمل ہے۔

اس تمام عمل سے مسند امام احمد کی تیاری اور تحقیق میں بہت مدد ملے گی، میرے اندازے کے مطابق مسند امام احمد اور اس کی فہرستیں (انڈکس) اپنی نئی ترتیب میں چالیس سے پچاس جلدوں تک ہوں گی، مسند امام احمد پر اعراب لگانے کے سلسلے میں کنانہ کے چند بڑے نحویوں کے ساتھ خط و کتابت ہو رہی ہے، اگر اس میں ہمیں کامیابی ہو گئی تو انشاء اللہ مسند امام احمد اعراب کے ساتھ چھپے گی، ظاہر ہے کہ ان تمام خوبیوں سے مزین کرنے کی وجہ سے کتاب کے چھپنے میں تاخیر ہو گی۔

مستقبل کا لائحۂ عمل

۱- احادیث نبویؐ کے تمام الفاظ کی ایک المعجم المفہرس تیار کی جائے گی اور یہ استاد محمد فؤاد عبدالباقی کی معجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم کے طرز پر ہوگی، البتہ میرے پیش نظر مفہرس میں اور اس میں کچھ فرق ہوں گے، مثلاً میں معجم مفہرس الفاظ حدیث کو حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کروں گا اور کلمہ کے مادہ کے حروف کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، بلکہ ہر لفظ کو حروف تہجی کے مطابق ہی جگہ دی جائے گی۔

۲- احادیث کی تخریج کمپیوٹر کے طریقے کے مطابق کی جائے گی، اس پروگرام کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش جاری رہے گی۔

۳- اسناد کی معجم جوکئی لحاظ سے ترتیب دی جائے گی۔

۴- اسناد کی ایک بڑی معجم کی تیاری۔

۵- اسناد کا ایک نقشہ یا چارٹ تیار کرنا۔

۶- احادیث کو نقشے کے مطابق ترتیب، یہ کام احادیث کے دائرۃ المعارف اور موضوعات کی فہرست کی بنیاد پر ہو گا۔

۷- اسماء اور مقامات کی معجم اور اس کی ایک خاص طرز پر ترتیب۔

۸- عنوانات کی ایک فہرست کی تیاری، اس سے ایک موضوع پر کمپیوٹر میں موجود

تمام احادیث کو یک جا کرنا ممکن ہو گا۔

۹۔ افعالِ صحیحہ کو ان کے اصولِ ثلاثی میں تبدیل کرنا۔

۱۰۔ کتب احادیث میں موجود تمام مفردات (الفاظ) کے پھیلاؤ کی حد بندی۔

کمپیوٹر میں موجود احادیث کی تصحیح کا کام مکمل ہوتے ہی مذکورہ معجموں کا بنانا بہت آسان ہو جائے گا اور ان کی تیاری پر محض چند گھنٹے لگیں گے، اسلئے کہ تمام پروگرام پہلے ہی سے تیار ہیں، بلکہ متعدد فہرستیں تیار پڑی ہیں اور کئی فہرستیں تو سنن ابن ماجہ کے ساتھ ہی چھپ چکی ہیں۔

جب یہ کام مکمل ہو جائے گا تو اس سے محدث، فقیہ، محقق اور عام مسلمانوں کے لئے کمپیوٹر میں موجود تمام احادیث تک رسائی آسان ہو جائے گی اور ایک لاکھ بیس ہزار احادیث میں سے مطلوبہ حدیث کی تلاش میں صرف چند سیکنڈ لگیں گے۔

بقیہ امام ابوعیسیٰ ترمذی صؔ ۶۹ سے آگے۔

اس کے بعد شیخ نے اپنی چالیس مخصوص حدیثیں آپ کو سنائیں۔ امام صاحب نے فوراً بے تکلف وہ حدیثیں دہرا دیں، اور شیخ حیرت زدہ رہ گئے۔

امام صاحب کی بہت سی تصانیف ہیں۔ حدیث کے علاوہ تفسیر و فقہ پر بھی عمیق نظر تھی۔ آپ کی تصانیف میں الجامع السنن کو خاص شہرت حاصل ہوا۔ اس کتاب میں امام صاحب نے امام ابوداود سجستانی اور امام بخاری دونوں کے طریق تالیف کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور ان کو جمع کیا ہے۔ ایک طرف آپ نے فقہی احکام کی احادیث کو لیا ہے، جو فقہاء کے یہاں اساس و بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اور ترتیب بھی فقہی رکھی ہے۔ دوسری طرف فقہیات کے علاوہ امام بخاری کی طرح دوسرے ابواب، سیر، آداب، تفسیر عقائد، احکام، اشراط اور مناقب سے متعلق روایات کو بھی جگہ دی ہے۔

۱۳ ر رجب المرجب ۲۷۹ھ، پیر کی شب کو ترمذ شہر ہی میں وفات ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ستر برس کی تھی۔

خالد سیف اللہ رحمانی

وضع حدیث اور اس کا پس منظر

"وضع" کے معنی افترا اور گھڑنے کے ہیں، ایسی حدیث جس کے بارے میں قرائن وشواہد کی روشنی میں من گھڑت ہونے کا گمان ہو "موضوع" کہلاتی ہیں۔

اسلام کے مخالفین اور حق کے دشمنوں نے اسلام پر حملہ کرنے کی ہر زمانہ میں دو راہیں اختیار کی ہیں اور یہ دونوں ذریعے نہ صرف پیغمبر اسلام ؐ کی تعلیمات کو داغدار کرنے کے لئے استعمال کئے گئے، بلکہ ہر نبی برحق اور دین حق کے خلاف ان سے کام لیا گیا ہے، ایک طریقہ حق کے کھلے دشمنوں اور باغیوں کا رہا ہے، انہوں نے کھل کر اس کی مخالفت کی اور اپنی ترکش کی عداوت کا ہر تیر بے کھٹک آزمایا۔ دوسرا طریقہ "نفاق" اور درپردہ بیخ کنی کا ہے، یہ وہ لوگ تھے جن کا دل بیمار تھا، لیکن اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ زبان کو دل کا رفیق بنا سکیں عیسائیت کی تاریخ میں اس کی واضح مثال موجود ہے، عیسائیت کی کھلی مخالفت کرنے والے "یہود" تھے، جنہوں نے مخالفت میں اپنی شقاوت اور قساوت کا پورا پورا مظاہرہ کیا اور حضرت مسیح کی ذات والا سے لے کر ان کے متبعین تک جن پر جو کچھ جور وستم کر سکتے تھے اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن "عیسائیت" کے خلاف درپردہ کام کرنے والا وہ گروہ تھا جو "سینٹ پال" اور ان کے ہم خیالوں کی شکل میں اٹھا، اس نے اپنی ذکاوت اور طباعی سے پوری مسیحی دنیا پر علمی اور استدلالی غلبہ حاصل کر لیا اور مسیحیت کو اسی درجہ مسخ کر کے رکھ دیا کہ حضرت مسیح کی توحید پر مبنی تعلیمات بالآخر "تثلیث" اور تین خداؤں پر ایمان کی شکل میں ڈھل گئیں اور خود حضرت مسیح ؑ "رسول اللہ" سے "ابن اللہ" بلکہ عین اللہ قرار پائے، یہود کی علانیہ مخالفت نے عیسائیت کو صرف مادی نقصان پہونچایا لیکن اس منافقانہ سازش نے حقیقی عیسائیت کے وجود ہی کو گم کر دیا۔

"وضع حدیث" کا فتنہ دراصل اسی دوسری قسم میں داخل ہے، موضوع حدیثوں کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے مضامین کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر اللہ تعالے کو اس دین کی حفاظت منظور نہ ہوتی، محدثین جھوٹ اور سچ کے درمیان تمیز پیدا کرنے کے لئے کھڑے نہ ہوتے اور یہ "موضوع روایتیں" ذخیرۂ حدیث میں جگہ پا لیتیں تو اسلام کی تحریف و تصحیف میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی لئے حدیث میں اس شخص کی سخت مذمت کی گئی ہے، جو آپؐ کی طرف جانتے بوجھتے کسی بات کو منسوب کر دے[۱]، بلکہ اس بات سے بھی منع کیا گیا کہ ہر بات۔ آپؐ کی طرف منسوب ہو تحقیق و تفحص کے بغیر نقل کر دی جائے[۲]۔ اس لئے علماءِ اہلِ سنت والجماعۃ اس بات پر متفق ہیں کہ حدیثیں وضع کرنا شدید ترین گناہ ہے۔ شیخ ابو محمد جوینی نے تو وضع حدیث کو کفر قرار دیا ہے[۳]۔ مگر خود ان کے صاحبزادے امام الحرمین اور دوسرے محدثین نے اس کو شدت اور مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ موضوع حدیثیں نہ عملی احکام میں معتبر ہیں نہ ترغیب و ترہیب میں، ان کا نقل کرنا بھی جائز نہیں، ہاں اگر موضوع ہونے کی صراحت کے ساتھ نقل کیا جائے تو مضائقہ نہیں[۴]۔

وضع حدیث کے محرکات:

موضوع احادیث کے مضامین اور ان کے تاریخی پس منظر کو سامنے رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف محرکات تھے، جو حدیثیں وضع کرنے کا محرک ہوئے، اختصار کے ساتھ ان کے حسب ذیل محرکات واسباب متعین کئے جا سکتے ہیں:

۱۔ اس حدیث کا سب سے بڑا محرک سیاسی چپقلش ہے، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی خلافت سے اس چپقلش کا آغاز ہوا، حضرات شیخینؓ کی خلافت پر تقریباً پورا عرب متفق تھا، لیکن حضرت عثمانؓ کی خلافت کے وقت صحابہؓ میں دو بڑے گروہ موجود تھے، ایک حضرت عثمانؓ کا حامی تھا اور دوسرا حضرت علیؓ کا، صحابہؓ میں ایک بڑی تعداد حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فائق سمجھتی تھی، علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بقول: "قدمائے

اہل السنہ اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں، ابن الندیم نے "کتاب الفہرست" میں بیسوں محدثین کے نام لکھے ہیں، جو حضرت علیؓ کی تفضیل کے قائل ہیں[۵]، لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے فیصلہ اور حضرت علیؓ کی بیعت کے بعد مسئلہ خلافت میں کوئی نزاع باقی نہیں رہا، تاہم ایک طرف بنوامیہ کی بنوہاشم کے مقابلہ قدیم حاسدانہ چشمک نے کروٹ لی، دوسری طرف عبداللہ بن سبا نے اس آتش فتنہ کو آتش فشاں بنانے کی غرض سے "تفضیلِ علیؓ" کے قضیہ کو ازسرِ نو ہوا دی، نوبت خلیفۂ مظلوم حضرت عثمانؓ کی شہادت اور اس کے بعد اہلِ بیت اطہار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے ساتھ بنوامیہ کے بہیمانہ اور انسانیت سوز سلوک تک آپہونچی، بنوامیہ نے اپنی عددی قوت، سیاسی دانشمندی اور شامیوں کی مدد سے تخت اقتدار پر قبضہ کیا، اور بنوہاشم اور ان کے عجمی (عراق و کوفہ) مددگاروں کو محرومی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

سیاسی میدان میں جنگ ہارنے کے بعد بنوہاشم کے حامیوں نے اس مسئلہ کو مذہبی رنگ دیا، تاکہ دین و مذہب کی بارگاہ میں بنوامیہ کو اس قدر بدنام اور مردود بنا دیا جائے کہ تاریخ میں ان کے لئے سر اٹھانے کا موقع باقی نہ رہے اور اس میں شبہہ نہیں کہ بنوامیہ نے جہاں سیاسی فتح کے ذریعہ ایک صدی کے لگ بھگ حکومت کی، وہیں اس عجمی سازش نے ان کو اس قدر بدنام کر دیا اور تاریخ کے ہر دور میں ان پر اس قدر لعنت و ملامت کی گئی کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ یہاں آ کر بنوہاشم کے مددگاروں نے زیادہ اور بنوامیہ اور ان کے مؤیدین نے کم حدیثیں اپنی اپنی فضیلت اور دوسرے فریق کی مذمت میں وضع کیں۔ مثلاً یہ روایت کہ: یا علی انت اخی وصاحبی ورفیقی فی الجنۃ[۶] (علی! تو جنت میں میرا رفیق، میرا دوست اور بھائی ہے) یا یہ کہ: علی امام البررۃ وقاتل الفجرۃ، منصور من نصرہ، مخذول من خذلہ[۷] (علی نیکوں کے امام اور بروں کے قاتل ہیں، جس نے ان کی مدد کی خدا کی طرف سے اس کی مدد ہوگی اور جس نے ان کو چھوڑا خدا ان کو چھوڑ دے گا) یا یہ زبان زد روایت کہ: انا مدینۃ العلم وعلی بابہا[۸] (میں شہرِ علم ہوں اور علی اس کا دروازہ) یا اہلِ شام کے فضائل و مناقب سے متعلق

روایتیں، مثلاً یہ کہ: الشام کنانتی من ارادھا بسوء رمیتہ بسھم منھا۔[۹] (

) وغیرہ صاف بتاتی ہیں کہ یہ احادیث اپنی سیاسی حیثیت کے استحکام اور اس کو مذہبی اور دینی رنگ دینے کے لئے گھڑی گئی ہیں، حماد بن سلمہ نے ایک رافضی شیخ سے نقل کیا کہ وہ منصوبہ بند طور پر باہمی مشورہ سے روایتیں وضع کرتے تھے: انھم کانوا یجتمعون علی وضع الاحادیث۔[۱۰]

۲۔ وضع حدیث کا دوسرا سبب فقہی تعصب اور گروہ بندی ہے، مثلاً سیدنا امام شافعیؒ کے متعلق یہ روایت کہ: یکون فی امتی رجل یقال لہ محمد بن ادریس ھو اشر علی امتی من ابلیس (میری امت میں محمد بن ادریس نامی ایک شخص ہوگا، جو میری امت پر ابلیس سے بھی زیادہ شر کا باعث ہوگا) العیاذ باللہ، یا امام ابو حنیفہؒ کی منقبت میں یہ روایت کہ ابو حنیفہؒ میری امت کا چراغ ہیں:۔ ابوحنیفۃ سراج امتی۔[۱۲] افسوس کہ فقہی تعصب نے اکثر اوقات خاصے اہلِ علم کو بھی جادۂ عدل سے ہٹا دیا ہے، اور اپنے مسلک کے اثبات کے لئے ضعیف و بے اصل روایت کو قبول کر لینے اور دوسرے مسلک کو رد کر دینے میں قوی اور قابلِ استدلال روایت کی تضعیف اور ان کا درجہ گرانے میں بھی ان کو تامل نہیں ہوتا۔ والی اللہ المشتکی۔

۳۔ بعض حضرات اس قسم کی حرکت خلفاء و سلاطین کو خوش کرنے اور انکی خواہشات کے لئے جواز پیدا کرنے کی غرض سے کرتے تھے، مثلاً مہدی کبوتر بازی کا شوقین تھا، غیاث بن ابراہیم کا واقعہ مشہور ہے کہ اس نے کبوتر بازی کا جواز پیدا کرنے کے لئے لا سبق الا فی نصل او خف او حافر (

) میں جناح (کبوتر و پرند بازی) کا لفظ بڑھا دیا، بادشاہ کو احساس ہوا کہ اس کی کبوتر بازی ہی اس افتراء کا سبب بنی ہے، کبوتر بازی چھوڑ دی اور کبوتروں کو ذبح کرا دیا۔[۱۳]

۴۔ کبھی سند و رجال میں اپنی آگہی اور حدیث میں وسعتِ نظر اور کثرت کے اظہار کے لئے حدیثیں وضع کی جاتی تھیں، نقل کیا گیا ہے کہ مامون بن احمد نے اپنی مجلس میں ذکر کیا کہ

حسن بصریؒ کا حضرت ابوہریرہؓ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بس کیا تھا؟ حاضرین میں سے ایک صاحب نے فوراً حدیث گھڑی اور اس طرح بیان کیا کہ حضورؐ سے حضرت ابوہریرہؓ نے اور حضرت ابوہریرہؓ سے حسن بصری نے اس کو روایت کیا ہے، تاکہ حسن بصریؒ کا سماع ابوہریرہؓ سے ثابت ہو جائے"۔ (۱۴)

جعفر بن محمد طیالسی سے مختلف اہل علم نے اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے، ایک دفعہ امام احمد اور یحییٰ بن معین مسجد "رصافہ" میں نماز کے بعد بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک واعظ کھڑے ہوئے اور احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی، یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کو تکنے لگے، کہ میں نے تو کبھی یہ روایت نقل ہی نہیں کی اور نہ اس سے پہلے کبھی سنی ہے، بعد میں جناب واعظ سے استفسار کیا تو انہوں نے پھر کہا کہ احمد اور یحییٰ سے روایت سنی ہے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں ہی یحییٰ ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں اور ہم دونوں نے کبھی یہ روایت سنی بھی نہیں ہے، اب ان صاحب کے لئے کوئی جائے فرار نہیں تھی، کہنے لگے، میں سنتا رہا ہوں کہ یحییٰ بن معین بے وقوف آدمی ہے آج اس کی تصدیق ہو گئی، کیا تم دونوں کے علاوہ کوئی اور احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نام کے آدمی نہیں ہیں، حالانکہ میں سترہ احمد بن حنبل سے حدیث لکھ چکا ہوں، امام احمد نے یہ سنکر اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ (۱۵)

۵۔ بعض کم ظرف اور خدا سے بے خوف اپنے نہایت خسیس اور حقیر مقاصد اور مفادات کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے، سعد بن ظریف اسکافی کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے اپنے بچوں کو روتا ہوا پایا، استفسار پر معلوم ہوا کہ استاد نے مارا ہے۔ کہنے لگا کہ خدا کی قسم! آج میں اسے ضرور ذلیل کروں گا، مجھ سے عکرمہ نے عکرمہ سے عباسؓ نے اور عباسؓ نے آپؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تمہارے بچوں کے معلم تم میں سے بدترین لوگ ہیں۔ (۱۶)

۶۔ بعض گمراہ اور بددین اپنے عقائد اور مسلک کی نصرت و اشاعت کے لئے ایسا کیا کرتے تھے، عبدالکریم بن ابی العوجا رامیر مکہ محمد بن سلیمان بن علی کے

حکم سے قتل کیا گیا، قتل ہوتے وقت اس نے کہا: میں تمہارے درمیان چار ہزار حدیثیں گھڑ چکا ہوں، جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر چکا ہوں[۱۷]۔ مشہور محدث حماد بن زید کا اندازہ ہے کہ اس گمراہ کن حلقہ نے کم از کم چودہ ہزار روایات گھڑی ہیں[۱۸]۔

۷۔۔ اس کی سب سے بدترین صورت وہ ہے جو بعض صوفیاء اور زہاد قسم کے لوگ ترغیب و ترہیب وغیرہ کے لئے فضائل کی روایات گھڑ لیا کرتے تھے، ان کی ظاہری ثقاہت و دینداری کی وجہ سے اس کا سمجھنا بہت دشوار ہوتا تھا، سیوطی وغیرہ نے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے کہ قرآن کی ہر ہر سورت کی فضیلت میں ابی بن کعب سے جو روایت منقول ہے وہ موضوع ہے، میں نے یہ حدیث موصل بن اسماعیل سے سنی، انہوں نے کہا کہ مجھ سے فلاں شیخ نے نقل کی ہے، ان شیخ صاحب سے پوچھا تو انہوں نے مدائن کے ایک شیخ کو بتایا کہ میں نے ان سے سنی ہے، میں ان کے پاس گیا اور ان سے دریافت کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے واسط کے ایک شیخ نے یہ حدیث بیان کی اور وہ زندہ ہیں، میں ان کے پاس بھی پہونچا، انہوں نے کہا، مجھ سے بصرہ کے ایک شخص نے نقل کیا ہے، پھر میں وہاں گیا، بصرہ کے ان صاحب نے کہا کہ "عبادان" کے ایک شخص نے یہ حدیث ان سے بیان کی ہے، میں وہاں گیا، انہوں نے میرے ہاتھ پکڑے، ایک کمرہ میں لے گئے جہاں اہل تصوف کی ایک جماعت تھی اور ان کے ساتھ ایک بزرگ تھے، پھر کہا، انہیں بزرگ سے میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، میں نے سوال کیا: بزرگوار! آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ فرمانے لگے، کسی سے نہیں، بلکہ لوگوں کی قرآن سے غفلت دیکھتے ہوئے ازراہِ ترغیب وضع کر لی ہے[۱۹]۔

چنانچہ بعض کرامیہ اور جاہل صوفیا، ترغیب و ترہیب کی غرض سے حدیثیں وضع کرنے کو جائز اور درست تصور کرتے ہیں، گمان ہے کہ یہ روایت:

اذا احدثتم عنی بحدیث یوافق الحق
فخذوا به حدثت اولم احدث۔

جس کو اہل علم نے موضوع قرار دیا ہے[۲۰]۔ اسی طبقہ کے لوگوں نے اپنے فاسد

نقطۂ نظر کی تائید کے لئے وضع کیا ہوگا۔

وضع حدیث کے قرائن

کسی حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ اکثر اوقات قرائن اور اندازوں ہی سے کیا جاتا ہے، کسی حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا یقین صرف اسی وقت ممکن ہے جب کہ خود واضع حدیث نے اس کا اقرار کرلیا ہو۔

محدثین نے کسی حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے مختلف اصول وقواعد ذکر کئے ہیں ان سبھوں کو سامنے رکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر پانچ طریقے ہیں جن سے کسی حدیث کے "موضوع" اور "جھوٹ" ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے:

۱۔ راوی خود اپنی روایت کے موضوع ہونے کا اقرار واعتراف کرے، جیسا کہ ابوعصمہ نوح بن مریم نے حضرت ابن عباس کی طرف منسوب اس روایت کے وضع کرنے کا اعتراف کیا، جس میں قرآن مجید کی ایک ایک سورت کی فضیلت بیان کی گئی ہے، انہوں نے کہا کہ جب میں نے لوگوں کو قرآن مجید سے گریزاں دیکھا اور دیکھا کہ وہ ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی ہی میں ہمہ تن مصروف ہیں تو اس روایت کو وضع کردیا۔[۲۱]

۲۔ احادیث کے معنیٰ میں رکاکت اور عام مزاجِ دین سے اس کی عدم مطابقت ایک اہم قرینہ ہے، جس سے حدیثوں کے موضوع ہونے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، مثلاً یہ روایت:

النظر الی الوجه الحسن يجلو البصر
والنظر الی الوجه القبيح يورث
الكلح۔[۲۲]

خود اس روایت کا مضمون بتاتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اسی طرح کسی روایت میں "رکیک لفظ" کا استعمال کو بھی اس کے موضوع قرار دیے جانے کی وجہ قرار دیا گیا ہے، اسی کی طرف "ربیع بن خثیم" نے اشارہ کیا ہے،

کہ حدیث میں دن کی روشنی کی طرح ایک نور و روشنی ہے، جو خود اس کے حدیث ہونے کو بتاتی ہے۔ دوسری طرف ایسی روایات ہیں جن میں شبِ تیرہ کی تیرگی اور تاریکی محسوس ہوتی ہے، جو خود اس کے کلامِ رسول ہونے کا انکار کرتی ہیں: ان من الحدیث حدیث لہ ظلمۃ کظلمۃ اللیل تنکرہ[۲۳]۔

۳۔ جو روایات عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہوں گو وہ سند کے اعتبار سے بظاہر قوی بھی ہوں پھر بھی موضوع تصور کی جائیں گی۔ خطیب بغدادی نے خود بعض احادیث سے اس اصول پر استدلال کیا ہے[۲۴]۔ مثلاً یہ روایت کہ سفینۂ نوح نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور مقامِ ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نمازیں ادا کیں[۲۵]۔ یا یہ کہ جماع کے دوران زوجہ کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا بینائی سے محروم کر دیتا ہے[۲۶]۔

۴۔ جو روایات کتاب اللہ، صحیح و قوی احادیث اور اجماع کے خلاف ہوں، مثلاً وہ روایت جو حضرت ابوہریرہؓ کی طرف منسوب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑے پیدا کئے اسے دوڑایا وہ ڈوب گئے، پھر اس سے خود اپنے آپ کو پیدا کیا[۲۷]۔ حافظ ابن حجر نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے: ومنہا ما یوجد من حال المروی کان یکون مناقضا لنص القرآن او السنۃ المتواترہ او الاجماع القطعی[۲۸]۔

کسی معمولی عمل پر غیر معمولی اجر یا معمولی گناہ پر شدید وعید ذکر کی جائے جو قرآن و حدیث کے عام وعدہ و وعید سے مطابقت نہیں رکھتے ہوں، یہ بھی حدیث کے موضوع ہونے کی علامت ہے[۲۹]۔ تاہم اس قاعدہ کے تحت کسی حدیث کو موضوع قرار دینا قرآن و حدیث پر وسیع نگاہ کا طالب ہے، ہر کہہ ومہہ کو اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایسی ہی روایات میں وہ حدیث ہے کہ جو شخص "لا الٰہ الا اللہ" کہے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کریں گے، جس کی چونچ سونے کی ہوگی، پر مرجان کے وغیرہ وغیرہ[۳۰]۔

اور ان کے علاوہ کسی راوی کی روایتوں کے موضوع قرار دئے جانے کی بڑی وجہ اس راوی کے بارے میں یہ شہرت یا اطلاع ہے کہ وہ جھوٹ بولا کرتا ہے کہ یہ کمزوری اس کی ہر حدیث کی صحت اور استناد کو مشتبہ کر دیتی ہے۔ اور محدثین اس کے معاملے میں حزم و احتیاط

کی راہ اختیار کرتے ہیں، ایسا شخص اگر ایک دفعہ حدیث میں جھوٹ بولنے کے بعد پھر اس سے توبہ بھی کرے تو اس کی توبہ بھی غیر معتبر ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں: من ثبت عنه تعمد الكذب في الحديث وان كان في العمر مرة وان تاب من ذالك لم يقبل حديثه ابدا ۔ (۳۱)

حدیث کی پرکھ اور کھرے کھوٹے کی تحقیق میں محدثین نے جس احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے، "فن اسماء رجال" جیسے فن کو وجود بخشا ہے، جو تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے اور حسن ذکاوت و طباعی اور ذہانت و معاملہ فہمی سے کام لیا ہے وہ بجائے خود اسلام کا معجزہ ہے، میں یہاں محدثین کے طرز تحقیق اور نقد و بحث کا ایک نمونہ ذکر کردوں تو بے جا نہ ہوگا۔ روایت میں ایک دستاویز کا ذکر ملتا ہے، جس کی رو سے آپؐ نے خیبر کے یہودیوں سے جزیہ معاف کر دیا تھا، ملا علی قاری کی تحقیق ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے، اس پر انہوں نے جن نکات کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے، علامہ شبلیؒ نے ان کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

۱۔ اس معاہدے پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ غزوۂ خندق میں وفات پا چکے تھے۔

۲۔ دستاویز میں کاتب کا نام معاویہ ہے، حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔

۳۔ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگِ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔

۴۔ دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا۔

۵۔ خیبر والوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، ان سے جزیہ کیوں معاف کیا جاتا؟

۶۔ عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا، حالانکہ ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی تو خیبر والے کیوں کر

معاف ہو سکتے تھے۔

۷۔ اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ اور دوست اور واجب الرعایہ ہیں۔ حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دئے گئے۔[۴۳]

موضوع حدیث پر کتابیں

حدیث کے موضوع و من گھڑت ہونے سے متعلق جو اصول ذکر کئے گئے ہیں، ظاہر ہے ان کا استعمال وہی ارباب فن کر سکتے ہیں جو ان پر گہری نگاہ اور دستگاہ رکھتے ہوں۔ اسلئے عام لوگوں کو متنبہ کرنے کی غرض سے اہلِ علم نے مستقل ایسی کتابیں لکھ دی ہیں جن میں ایسی موضوع وبے اصل روایات جمع کر دی گئی ہیں، اس سلسلے میں غالباً پہلی کتاب علامہ جوزقانی کی "کتاب الاباطیل" ہے[۴۴] اسی سے استفادہ کر کے حافظ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب الموضوعات " مرتب کی، جو گو اس موضوع پر خوب مشہور و مقبول ہوئی، مگر شاید مصنف کی حدتِ مزاج کے باعث تسامح سے بچ نہ سکی اور ایسی بہت سی روایات "موضوع" کی فہرست میں آگئیں جو صحیح تھیں یا ضعیف تھیں، مگر اس درجہ نامعتبر نہ تھیں کہ ان کو موضوع قرار دیدیا جائے۔[۴۵] حافظ جلال الدین سیوطی نے ابن جوزی کی کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے اور ان کی تسامحات پر نگاہ رکھتے ہوئے اس موضوع پر ایک جامع کتاب " اللآلی المصنوعہ" کے نام سے مرتب کی۔ اس موضوع پر دوسری کتابوں میں ملا علی قاری کی " قانون الموضوعات " اور علامہ طاہر پٹنی کی "تذکرۃ الموضوعات" اہم، جامع اور معتدل تحریریں ہیں۔

ان دنوں اس موضوع پر ایک اہم کام شیخ ناصر الدین البانی کا سامنے آیا ہے، جن کی کتاب "سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ" کی دو جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ زیر بحث حدیث کے ماخذ کی تخریج اور ان کی اسناد کی تصریح کی وجہ سے یہ اس موضوع پر ایک نہایت بہتر کام ہے۔ مگر افسوس کہ مصنف کی سلفیت اور اس میں غلو و تعمق نے ان کو جادۂ عدل پر قائم نہیں رکھا ہے اور ان کے قلم کے ناوک سے بڑے بڑے ائمہ و رجالِ فن بھی نہیں بچ سکے ہیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

حواشی وحوالے

۱۔ "من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار" بزاز نے اس حدیث کو ۴۰ صحابہ سے نقل کیا ہے، ابن صلاح نے کہا ہے ۶۲ صحابہ سے مروی ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ سو سے زیادہ صحابہ سے ثابت ہے، امام نووی کہتے ہیں کہ دوسو صحابہ اس کے راوی ہیں۔ عراقی کا خیال ہے کہ خاص ان الفاظ کے ساتھ ستر سے زیادہ راوی نقل کرتے ہیں، علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ تقریباً سو صحابہؓ سے مروی ہے۔ ۱۰ صحابہؓ سے صحیح سند سے، پچاس صحابہؓ سے ضعیف، لیکن قابلِ استدلال سند سے اور ۲۰ صحابہ سے ضعیف اور ناقابلِ اعتبار سندوں سے۔ ملاحظہ ہو: مقدمہ ابن صلاح النوع الثلاثون، ص ۱۱۵، فتح الملہم ج ۱ ص ۵۔

۲۔ کفی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع، رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ۔

۳۔

۴۔ نزہۃ النظر ص ۵۹۔

۵۔ رسالہ اہل السنۃ

۶۔ اس کی سند میں عثمان بن عبدالرحمٰن قریشی ہیں جن کو اہل فن نے "کذاب" قرار دیا ہے، ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ مواخاۃ سے متعلق تمام ہی روایات موضوع ہیں "احادیث المواخاۃ کلہا کذب" حافظ ذہبی نے "مختصر المنہاج" میں اس روایت کو موضوع کہا ہے، ص ۴۶۰۔ دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، ج ۱ ص ۳۵۶۔

۷۔ اس میں ایک راوی احمد بن عبداللہ بن یزید ہیں، ذہبی جیسے بلندپایہ امام فن کی ان کے متعلق رائے ہے کہ "احمد کذاب" (احمد سخت جھوٹے ہیں) دوسرے علماء فن کی بھی ان کے متعلق کم وبیش یہی رائے ہے، حوالہ سابق۔

۸۔ ابن حبان کا خیال ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ابن طاہر کہتے ہیں، موضوع حدیث ہے، تذکرۃ الموضوعات ص ۹۶، یہی بات علامہ ابن تیمیہ نے بھی فرمائی ہے۔ موضوع عند اہل العلم بالحدیث، فتاویٰ شیخ الاسلام ج ۱۸ ص ۱۲۲

۹۔ البانی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے: لا اصل لہ، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، ج ۱ ص ۲۰۵۔

۱۰۔ تدریب الراوی ص ۱۰۳۔

۱۱۔ مامون بن احمد ہروی اس کی سند میں ہیں اور محدثین کا خیال ہے کہ یہ حدیث اسی کی وضع کردہ ہے۔ ملاحظہ ہو مولانا عبدالحی لکھنوی ظفر الامانی ص ۲۴۶۔

۱۲۔ ابن جوزی، ذہبی، قاسم بن قطلوبغا حنفی اور دوسروں نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، رد المحتار ج ۱ ص ۳۹

۱۳۔ نزہۃ النظر ص ۵۷۔

۱۴۔ حوالہ سابق ص ۵۸۔

۱۵۔ مقدمہ ابن صلاح ص ۳۹، النوع الحادی والعشرون، ڈاکٹر صبحی محمصانی: علوم الحدیث ومصطلحہ ص ۲۶۸۔

۱۶ - سعدی یاسین: الایضاح ص ۱۲۶، جلال الدین سیوطی: تدریب الراوی ص ۱۰۰۔
۱۷ - الایضاح ص ۱۲۵ علوم الحدیث و مصطلحہ، ص ۲۰۰۔
۱۸ - تدریب الراوی ص ۱۰۳۔
۱۹ - مولانا شبیر احمد عثمانی: فتح الملہم ج ۱ ص ۶۳ (مقدمہ)، مقدمہ ابن صلاح ص ۳۹۔
۲۰ - ظفر الامانی ص ۲۵۸۔
۲۱ - مقدمہ ابن صلاح ص ۳۹، النوع الحادی والعشرون۔
۲۲ - مناوی: فیض القدیر ج ۱ ص ۴۵۔
۲۳ - خطیب بغدادی، الکفایہ ص ۵۷۹۔
۲۴ - الکفایہ ص ۵۷۴۔ باب فی وجوب اطراح المنکر والمستحیل، من الاحادیث منہ۔
۲۵ - تہذیب ج ۶ ص ۱۷۹۔
۲۶ - طاہر پٹنی: تذکرۃ الموضوعات ص ۱۲۶۔
۲۷ - تدریب الراوی، ص ۱۰۰، اس کی سند میں محمد بن شجاع اور ابو المہزم ہیں، جن پر وضع حدیث کی تہمت ہے۔
۲۸ - نزہۃ النظر ص ۴۵۔
۲۹ - تدریب الراوی ص ۹۹۔
۳۰ - علوم الحدیث و مصطلحہ ص ۲۶۸۔
۳۱ - مقدمہ شیخ عبد الحق علی المشکوۃ۔
۳۲ - فن اسماء الرجال سے مراد وہ فن ہے، جس میں راویوں کے حالات سے بحث کی جاتی ہے کہ وہ حافظہ اور ثقاہت کے اعتبار سے قابل اعتماد ہیں یا نہیں۔ اس فن کے ذریعہ لاکھوں راویوں کے حالات محفوظ کردیے گئے ہیں۔
۳۳ - علامہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبی، ج ۱ ص ۴۶۔
۳۴ - ماضی قریب میں جامعہ سلفیہ بنارس نے ایک صاحب علم کی تحقیق کے ساتھ دو جلد میں شائع کردیا ہے۔
۳۵ - حد یہ ہے کہ صحیح مسلم جیسی بلند پایہ کتاب بھی ان کی حرف گیری سے نہ بچ سکی، اسلئے دوسرے اہل علم کو ابن جوزی کی اس کتاب پر قلم تنقید اٹھانا پڑی، ابن جوزی نے مسند احمد کی متعدد حدیثوں کو موضوع قرار دیدیا تھا، علامہ عراقی نے ایسی نو حدیثوں کو نکال کر ابن جوزی کی ان پر جرح کی غلطی آشکارا کی، ابن حجر نے ایسی مزید پندرہ حدیثیں مسند کی نکال کر ان کے متعلق ابن جوزی کی رائے کو غیر درست قرار دیا، یہ ۲۴ حدیثوں پر بحث "القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد" کے نام سے شائع ہوئی، ایک ہندوستانی عالم، قاضی صبغت اللہ مدراسی نے کتاب الموضوعات سے مسند کی مزید ۲۲ حدیثیں ڈھونڈ نکالیں جن کو موضوع قرار دینا قرین انصاف نہیں، یہ "ذیل" اصل کتاب کے ساتھ دائرۃ المعارف حیدر آباد سے ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوگیا ہے اور دستیاب ہے۔

حدیث کا ادبی مقام

سید حسنین احمد ندوی
فاضل دیوبند

بلاغت دراصل کلام کی ایسی جامع صفت ہے، جس میں کلام کی جملہ خوبیاں اور محاسن سمٹ آتی ہیں، اس طرح کہ الفاظ کے انتخاب اور نشست و برخواست میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہو کہ وہ اعلیٰ مذاق اور طبع سلیم کے لئے بارِ خاطر نہ ہو ایسے ہی اس میں مخاطب اور مقتضائے حال کی بھی بھرپور رعایت کی گئی ہو، یہ خصائص جہاں کلام کے ظاہری و معنوی حسن و جمال میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں وہیں اس کی اثر آفرینی اور دلکشی کو بھی دوچند کر دیتے ہیں۔

اس اعتبار سے جب ہم کلامِ نبویؐ کا جائزہ لیتے ہیں تو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جس طرح شریعت میں کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ اقوال رسولؐ کو حاصل ہے، اسی طرح بلاغت میں بھی کتاب اللہ کے بعد دوسرا درجہ اقوالِ رسول اللہؐ کا ہے، اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے جاحظ نے محمد بن سلام کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

قال یونس بن حبیب: ماجاء ناعن احد من روائع الکلام ماجائناعن رسول اللہؐ۔ [1]	یونس بن حبیب نے بیان کیا کہ: وہ ادبی شہ پارے جو ہمیں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملے ہیں کسی اور سے نہ ملے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپؐ کا تعلق ایسی قوم سے تھا، جو نہ صرف اظہار و بیان کی اعلیٰ صلاحیت کی حامل تھی، بلکہ اپنی زبان دانی پر اس قدر

[1] البیان والتبیین ص۲۵ ج ۲۔

ناز تھا کہ وہ اپنے علاوہ ساری دنیا کو عجمی یعنی بے زبان کہا کرتی تھی اور پھر عرب میں آپ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا جس کی زبان کو عرب قبائل کے درمیان سند کی حیثیت حاصل تھی، اسی طرح آپؐ کی ابتدائی نشو ونما قبیلہ بنو سعد میں ہوئی جو عرب کا فصیح ترین قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ اور پھر وحی الٰہی سے آپؐ کا راست تعلق جس کا اعجاز بیان بذات خود خالق کائنات کے معجزوں میں سے ایک لافانی معجزہ ہے، یہ وہ خصائص ہیں جس نے آپ کو جوامع الکلم اور افصح اللسان بنا دیا، یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والا ہر لفظ جہاں علوم و معارف اور شریعت کے اسرار و حکم کا خزینہ اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، وہیں وہ فصاحت و بلاغت کا انمول اور بے نظیر موتی بھی ہے۔

عن عائشةؓ ان الحارث بن هشامؓ سأل رسول اللهؐ: فقال، یا رسول اللهؐ! كيف يأتيك الوحي؟ فقال رسول اللهؐ: احيانا يأتيني مثل صلصلة الجرس وهو اشده علي فينفصم عني وقد وعيت عنه ما قال واحيانا يتمثل لي الملك رجلاً فيكلمني فاعي ما يقول[1]۔	حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہؐ! آپؐ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کبھی تو اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ یہ میرے لئے بڑا دشوار ہوتا ہے، اور جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو مجھے وحی کے کلمات محفوظ ہو جاتے ہیں، جب کہ کبھی فرشتہ انسانی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی تمام بات کو محفوظ کر لیتا ہوں۔

اس حدیث میں سب سے پہلی چیز جو قابل توجہ ہے، وہ "فینفصم عنی" ہے، اس جگہ آپؐ نے "فینقصم عنی" نہیں فرمایا۔ انتخابِ لفظ کے اس حسن اور تعبیر میں مخفی اسرارِ بلاغت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے "فصم" اور "قصم" کے معنی سمجھ لئے جائیں "فصم" ایسی علیحدگی کا نام ہے، جو مکمل نہ ہو، جیسے کاغذ کا ایک ٹکڑا آپ پھاڑیں

---

[1] بخاری باب الوحی۔ مسلم کتاب الفضائل۔

مگر اسے بالکل الگ نہ کریں، بلکہ تھوڑا سا لگا رہنے دیں، جب "قصم" ایسی علیحدگی کا نام ہے جو مکمل ہو، مثلاً ایک کاغذ کے اس طرح دو ٹکڑے کر دیے جائیں کہ دونوں بالکل علیحدہ علیحدہ ہو جائیں اور ان کا ایک دوسرے سے کوئی ربط و تعلق باقی نہ رہے۔

"فصم" اور "قصم" کے مفہوم کے واضح ہو جانے کے بعد ہر شخص اس حقیقت کو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس موقع سے کس لفظ کا استعمال بلیغ ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق جو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے تھا، یہ تعلق مکمل طور پر منقطع نہیں ہوتا تھا، بلکہ یہ انقطاع عارضی اور وقتی ہوا کرتا تھا، کیونکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا، اسلئے بلاغت کا تقاضہ یہی تھا کہ اس موقع سے لفظ "فصم" استعمال کیا جائے نہ کہ "قصم"۔

دوسری چیز جو اس حدیث میں قابلِ غور ہے، وہ حدیث کے یہ دونوں ٹکڑے ہیں "وقد وعیت عنہ" اور "فیکلمنی فأعی مایقول" "وعیت" اور "اعی" دونوں کا مادہ ایک ہے لیکن ان دونوں میں ایک ماضی ہے، جب کہ دوسرا مضارع ہے، اس میں بلاغت کا راز یہ ہے کہ وحی کی پہلی صورت آپؐ کے لئے انتہائی سخت اور دشوار ہوا کرتی تھی اور آپؐ کلماتِ وحی کو محفوظ کرنے کے لئے اس طرح ہمہ تن گوش ہو جاتے کہ گرد وپیش کی کوئی خبر نہیں رہتی، لہٰذا نزولِ وحی کے بعد جب آپؐ کی طبیعت معمول پر آتی تو آپؐ اس کی خبر دیتے اسلئے "وعیت" ماضی کے لفظ سے تعبیر کیا، جب کہ دوسری صورت جس میں حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں نمودار ہوتے، یہ نزولِ وحی کی آسان صورت ہونے کی وجہ سے آپؐ بسہولت تمام کلماتِ وحی کو یاد کرتے، اسلئے اسے "اعی" مضارع کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

عن النبیؐ قال المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ[1]	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں اور مہاجر وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی منع کردہ چیزوں کو ترک کر دیا۔

[1] بخاری، کتاب الایمان، مسلم " " "

المسلم میں الف لام کمال معنیٰ کے لئے ہے، اس طرح حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ کامل مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں، یہ ایسے ہی ہے جیسے المال کا اطلاق سونے اور چاندی پر ہوتا ہے، گویا اس کے علاوہ کوئی اور چیز مال نہیں ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح المسلم کے الف لام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر کسی کے زبان اور ہاتھ سے مسلم محفوظ نہ ہو تو اس سے اصل اسلام کی نفی نہیں ہو جاتی، بلکہ صرف کمال کی نفی ہوتی ہے۔

لسان سے مراد دوسروں کو تکلیف پہونچانے والی زبان ہے، آپؐ نے اس موقع سے لسان کی تعبیر اختیار فرمائی قول کی نہیں، اسلئے کہ قول کے مقابلے میں زبان کی کاٹ زیادہ مشہور ہے، چنانچہ عربی میں فلان سلیط اللسان، یا بازی اللسان کہا جاتا ہے، سلیط القول نہیں کہا جاتا، خود اردو میں اس کے ہم معنیٰ محاورہ زبان دراز استعمال ہوتا ہے، قول دراز نہیں۔ کتاب اللہ میں بھی ایسے موقع سے زبان کی تعبیر ہی اختیار کی گئی ہے :۔ فاذا ذھب الخوف سلقوکم بالسنۃ حداد[1] ——————— یہاں السنہ کا لفظ آیا، اقوال کا نہیں۔

ید تمام انسانی اعضاء کو شامل ہے، جیسے پیر، آنکھ، کان وغیرہ، انسان ان میں سے کسی بھی عضو سے دوسرے کو تکلیف پہونچا سکتا ہے، لیکن انسان کے اکثر و بیشتر افعال کا تعلق چونکہ ہاتھ سے ہوتا ہے، اسلئے عرف لغوی میں دوسرے اعضاء کے بجائے ہاتھ کی تعبیر مشہور ہوگئی، یہاں تک کہ عقلی و فکری امور بھی ہاتھ کی جانب منسوب کئے جانے لگے، "بما کسبت ایدیھم[2]" اس کے علاوہ ہاتھ طاقت و قوت کا مظہر ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص حقیقی ہاتھ کا استعمال کئے بغیر کسی کو اپنے اثر و رسوخ اور طاقت و شوکت کے ذریعہ نقصان پہونچائے تو یہ اس کو بھی شامل ہوگا۔

حدیث میں "اللسان" پہلے آیا ہے، اور "ید" بعد میں، لفظ کی یہ تقدیم و تاخیر بھی

---

[1] احزاب ۱۹۔

بلاغتِ معنوی سے خالی نہیں، لسان کا لفظ پہلے ذکر کرنے سے اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ یہ کثرت سے واقع ہوتا ہے، کیونکہ زبان کے ذریعہ تکلیف پہونچانے کے لئے حاضر و غائب کی کوئی قید نہیں ہوتی، کسی کا تعلق ماضی سے ہو یا حال یا مستقبل سے، وہ زبان کی چوٹ سے نہیں بچ سکتا، جب کہ ہاتھ کا تعلق صرف حاضر سے ہے، اس طرح طبعی طور پر اس کا دائرۂ کار زبان کی بہ نسبت محدود ہو جاتا ہے۔

ان فنی خوبیوں کے علاوہ اقوالِ رسولؐ کی سب سے بڑی خصوصیت جو اسے دوسرے کلام سے ممتاز کر دیتی ہے، وہ اس کی غیر معمولی اثر آفرینی وسحر انگیزی ہے، جس سے سامع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، بے تکلفی اور سادگی کے باوجود بلا کا درد و سوز ہے، جو دل و دماغ کے تاروں کو اس طرح چھیڑ دیتا ہے کہ سننے والا اس کے سحر میں کھو جائے، بطور نمونہ آپؐ کے ان دعائیہ کلمات کو ایک بار پڑھیے جو طائف میں کسمپرسی کے عالم میں آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلی تھی۔

"خدایا! تجھ ہی سے اپنی بے چارگی، بے بضاعتی اور لوگوں کے مقابلے میں اپنی کم مائیگی کے لئے شکوہ سنج ہوں، تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے، تو ہی کمزوروں اور مجبوروں کا پالنہار ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے، پھر مجھے کس کے سپرد کر دیا ہے، کیا بدمزاجوں اور دشمنوں کے......؟ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں، کیوں کہ تیرا سہارا میرے لئے سب چیزوں سے بڑھ کر ہے!!

میں تیرے اس رخِ روشن کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو، یا تو مجھ سے ناراض ہو جائے، تیرے سوا، نہ کوئی طاقت ہے، نہ قوت[۱]"

اسی طرح آپؐ کا وہ خطاب جو آپؐ نے انصار کے درمیان کیا تھا:۔

"اے جماعتِ انصار! تمہاری ناراضگی کا حال معلوم ہوا...... کیا تم سب

۱؎ فقہ السیرہ ص۱۳۱۔ محمد الغزالی۔

گمراہ نہ تھے، پھر اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں ہدایت بخشی؟ کیا تم تنگ دست نہ تھے، پھر اللہ نے میرے ذریعہ تمہیں خوش حالی عطا کی؟ اور کیا تم باہم دست و گریباں نہ تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا؟ انہوں نے کہا ہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کا فضل اور احسان ہے، آپؐ نے فرمایا: اے جماعت انصار! کیا تم مجھے جواب نہ دوگے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ ہم کس طرح جواب دیں؟ واقعی اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا فضل اور احسان ہے!! آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور میں بھی تمہاری تصدیق کروں گا، کہ آپؐ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ سبھوں نے آپؐ کو جھٹلایا، لیکن ہم نے تصدیق کیا، آپؐ بے یار و مددگار تھے، ہم نے آپؐ کی اعانت و نصرت کی، آپؐ کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، ہم نے آپؐ کو ٹھکانہ دیا۔

اے جماعتِ انصار! کیا تمہاری ناراضگی کا سبب دنیا کی وہ عارضی نعمتیں ہیں، جن سے میں نے کچھ لوگوں کی دل جوئی کی، تاکہ وہ اسلام لے آئیں، اے انصار! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ جب دوسرے یہاں سے جائیں تو ان کے ساتھ بکریاں اور اونٹ ہوں، مگر جب تم لوٹو تو تمہارے ساتھ اللہ کا رسولؐ ہو۔ اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے، تم جو کچھ لے کر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لے کر لوٹ رہے ہیں، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہونا پسند کرتا اور لوگ اگر ایک وادی یا گھاٹی کا رخ کرتے اور انصار دوسری وادی یا گھاٹی کا تو میں انصار کے ساتھ ہوتا۔"

بارِ الٰہا! تو انصار اور انصار کے آل و اولاد پر رحم فرما..... حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ اس پر قوم کے ہر فرد کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور وہ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں اور سب بیک زبان ہو کر کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم پر راضی ہیں۔[1]

---

[1] زاد المعاد۔

نوٹوں اور سکّوں کی فقہی حیثیت

خالد سیف اللہ رحمانی

آجکل جو کاغذی نوٹ اور لوہے، المونیم وغیرہ کے سکے مروج ہیں، ان کی شرعی اور فقہی حیثیت کیا ہے؟ آیا یہ بذات خود ثمن (زر) کا درجہ رکھتے ہیں، یا ان کی حیثیت وثیقہ وسند اور ایک طرح کے چک کی ہے؟ جب ہم کسی کو نوٹ ادا کرتے ہیں، تو یہ حکومت کے پاس محفوظ سونے کے اس ذخیرہ کا وثیقہ ہوتا ہے جس کی بنیاد پر ان سکوں کی قدر متعین ہوتی ہے، یا یہ بجائے خود ثمن ہیں اور ہم نوٹ کی شکل میں وثیقہ کے بجائے اصل ثمن ادا کرتے ہیں؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اور متعدد فقہی اصول واحکام ہیں جو اسی امر کی تعیین پر موقوف ہیں۔

اگر ان کی حیثیت وثیقہ، ثمن کی ہے تو نوٹوں کی ادائیگی سے اس وقت تک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جب تک کہ ان کا استعمال نہیں کر لیا جائے، اگر زکوٰۃ کے محصلین وعاملین سے یہ رقم ضائع ہوگئی تو صاحب مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی واجب رہے گی۔ اس لئے کہ اس نے جو کچھ دیا تھا وہ عین زکوٰۃ نہ تھی، بلکہ محض مقدارِ زکوٰۃ مال کا وثیقہ تھا، اور اگر یہ ثمن ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔

اگر اس کی حیثیت وثیقہ کی ہے تو سکوں کے ذریعہ جو مہر مقرر ہو، یا سکوں کی شکل میں جو قرض ادا طلب ہو، جوں جوں سونے کی قیمت میں اضافہ ہوگا، اس کی مقدار بڑھتی چلی جائے گی۔ مثلاً پانچ سال پہلے ہزار روپے قرض لئے گئے، جب کہ اس سے دو تولہ سونے خرید کئے جا سکتے تھے، اب دو تولہ سونے کی قیمت دو ہزار روپے

ہو گئی تو اب ایک ہزار کے بجائے دو ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے اور اگر یہ نوٹ اور سکے بعینہٖ ثمن ہوں تو ہزار کے ہزار ہی ادا کرنے ہوں گے۔

اگر اس کی حیثیت مستقل ثمن کی ہو تو اس کے بدلہ سونا کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کیا جا سکے گا، اسلئے کہ سونے اور نوٹ کی جنس الگ الگ سمجھی جائے گی اور دو علیحدہ جنسوں کی چیزیں کمی بیشی کے ساتھ خریدی اور بیچی جا سکتی ہیں اور اگر یہ صرف وثیقہ ہوں تو قانونی اعتبار سے روپے کی جو قدر مقرر ہے اور اس لحاظ سے اس کو جتنے سونے کے مساوی سمجھا گیا ہے اسی قدر سونا اس سے خریدا اور بیچا جا سکے گا، نہ اس میں کمی کی گنجائش ہوگی نہ زیادتی کی، ورنہ سود پیدا ہو جائے گا، اگر اس کی حیثیت وثیقہ ثمن کی ہو تو سونے چاندی کی اس کے ذریعہ خرید و فروخت درست نہ ہوگی، اسلئے کہ چونکہ یہ نوٹ اور سکے سونے کی سند ہیں، لہٰذا یہ سونے کی سونے سے خرید و فروخت ہوئی ایسی شکل میں خرید و فروخت ہی کی مجلس میں دونوں طرف سے عوض پر قبضہ کر لینا ضروری ہے، اور یہاں ایک فریق نے تو سونے پر قبضہ کر لیا ہے، جب کہ دوسرے نے صرف وثیقہ پر قبضہ کیا ہے۔

اسی طرح اگر یہ نوٹ اور سکہ وثیقہ ہے تو وہ معاملہ کے وقت متعین کرنے کی وجہ سے متعین ہو جائے گا، اور بعینہٖ انہی سکوں کا دینا ضروری ہوگا اور اگر یہ ثمن ہیں تو فقہی اصول کے مطابق وہ متعین اور مشخص نہیں ہو سکیں گے۔

یہ اور اس طرح کے بعض اور مسائل ہیں جو اسی اصول سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ نوٹ اور سکے وثیقہ کا حکم رکھتے ہیں، بعینہٖ ثمن نہیں ہے، ہمارے علماء ہند میں اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح[۱] اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح[۲] کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں، عام طور پر علماء ہند و پاک نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے[۳]۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ سکے اور نوٹ بجائے خود "ثمن" کا درجہ رکھتے ہیں، حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی فرنگی محلی[۴] اور ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا فتح محمد صاحب رح[۵]

اسی کے قائل ہیں۔

اس مسئلہ پر ظاہر ہے کہ ہم کو کتاب وسنت کی تصریحات نہیں مل سکتیں، اسلئے کہ قدیم زمانہ میں خرید و فروخت کے لئے صرف سونے چاندی کا استعمال ہوتا تھا سکوں اور خصوصیت سے نوٹ کا استعمال تو بہت بعد کو شروع ہوا، البتہ کتب فقہ میں بعض ایسی نظیریں ملتی ہیں، جن سے زیر بحث مسئلہ میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، بعض لوگ نوٹ کو صرف وثیقہ اور سند مانتے ہیں، ان کی دلیل واضح اور بادی النظر میں قرین قیاس ہے، نوٹ پر اس عبارت کا درج ہونا کہ" اتنے روپے ادا کرنے کی اجازت دیتا ہوں" ——— بجائے خود نوٹوں کے وثیقہ ہونے کو بتاتا ہے، جس کو ریزروبنک کے گورنر کی توثیق کی وجہ سے قبول کیا جاتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ خود اس کا غذیا سکّہ میں اتنی قوتِ خرید نہیں ہوتی جو اس توثیق کی وجہ سے اس میں تسلیم کرلی جاتی ہے اور نہ اس توثیق کے بغیر کوئی اس کو خرید و فروخت کے لئے قبول ہی کرتا ہے، دوسرے نوٹ کی تریج اور اس کا آغاز جس طرح ہوا وہ خود بھی اس کی تائید کرتا ہے، کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں بینک کے نوٹ کے بجائے لوگ بطورِ خود رقوم کے وثیقے لکھ دیتے تھے اور وہی قبول کرلئے جاتے تھے، جو ظاہر ہے کہ چک اور وثیقہ ہی کی شکل ہے، بعد کو یہ اختیار حکومتوں نے لیا اور ان کی مہرِ تصدیق کے ساتھ نوٹ چلنے لگے، پھر حکومت نے زر پر کنٹرول کرنے کے لئے یہ حق ریزروبینک کو سونپ دیا اور اس طرح اب بینک نوٹ جاری کرتے ہیں۔ "دائرۃ المعارف برطانیہ" نے نوٹ کی حیثیت یہ بتائی ہے کہ یہ گویا اس قرض کی سند ہے جو صاحب نوٹ کا بینک کے ذمہ ہے۔ نوٹ کے متعلق اس تفصیل نے اس بات کو بالکل بے غبار کردیا ہے کہ اس کی حیثیت وثیقہ کی ہے، اور فقہ کی اصطلاحی زبان میں یہ "حوالہ" ہے، نوٹ ادا کرنے والا" محیل" وصول کرنے والا" محتال " اور بینک "محتال علیہ " ہے، جس نے اس کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہے۔

جن حضرات نے اس کو "ثمن" قرار دیا ہے، ان کے پیشِ نظر یہ امر ہے کہ نوٹ کا

چلن آج بعینہٖ اسی طرح ہے، جیسے کسی زمانہ میں ثمن کا ہوا کرتا تھا حکومت نوٹ لینے پر مجبور کرتی ہے، اگر نوٹ ضائع ہو جائے تو اس کا عوض ادا نہیں کرتی، رہ گئی حکومت کی طرف سے نوٹ کی توثیق تو یہ نوٹ کی ثمنیت میں چنداں مضر نہیں، چونکہ نوٹ میں فی نفسہٖ مالیت نہیں ہوتی، اسلئے اس کی "ثمنیت" کی یقین دہانی اور اعتبار قائم کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے یہ توثیق ہے جو اس کے ثمن ہونے کے منافی نہیں۔

ان دونوں رایوں پر غور کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کسی چیز میں ثمنیت پیدا ہونے اور اس کو ثمن تسلیم کرنے کے کیا اصول ہیں؟ فقہی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چیزیں تخلیقاً ثمن ہیں، یعنی وہ پیدا ہی اس لئے کی گئی ہیں کہ ثمن کا کام دیں[۸]، یہ دو ہیں، سونا اور چاندی، عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہؓ میں یہی دو چیزیں تھیں جو "ثمن" کے طور پر استعمال ہوتی تھیں، سکے بھی انہیں کے ڈھلتے تھے، سونے کے دینار ہوتے تھے اور چاندی کے درہم ثمنیت پیدا ہونے کی دوسری صورت "اصطلاح" یعنی باہمی اتفاق ہے، اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ لوگ عرف و رواج کے اعتبار سے کسی چیز کے ثمن ہونے پر اتفاق کر لیں، صاحبِ ہدایہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: "لأن الثمنیۃ بالاصطلاح"[۹] "فلوس نافقہ"[۱۰] کو اسی بنا پر ثمن تصور کیا جاتا ہے، اب کسی چیز کے ثمن ہونے پر لوگوں کے اتفاق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا تو حکومت قانونی طور پر اس کو ثمن تسلیم کر لے، یا خود لوگوں میں اس حیثیت سے اس کا چلن معروف اور مروج ہو جائے۔

پھر "اصطلاحی ثمن"، کن امور و احکام میں "ثمن" کی طرح ہوگا اور کن مسائل میں اس کا حکم سونا چاندی، یعنی تخلیقی ثمن سے مختلف ہوگا، اس کو سمجھنے کے لئے ہمیں ان جزئیات کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو فقہاء نے "فلوس نافقہ" کے سلسلہ میں ذکر کی ہیں۔

۱۔ جس طرح سونا اور چاندی متعین کرنے کی وجہ سے متعین نہیں ہوتا، اسی طرح "فلوسِ نافقہ" کا اگر بطور ثمن معاملہ کیا جائے تو متعین اور مشخص نہیں ہو سکیں گے۔

"الفلوس بمنزلۃ الدراھم اذا جعلت ثمناً لا تتعین فی العقد وان عینت[۱۱]"۔

۲۔ جس طرح معاملۂ خرید و فروخت کی اصل بنیاد "مبیع" اور اس کی موجودگی ہے، ثمن ہلاک ہو جائے تو بیع ختم نہیں ہوتی، اسی طرح فلوسِ نافقہ اگر خریدار سے ضائع ہو جائے تو معاملہ باقی رہے گا، ختم نہیں ہوگا: ولا ینفسخ العقد بھلاکھا[۱۲]۔

۳۔ "فلوسِ نافقہ" کی خرید و فروخت خود فلوسِ نافقہ کے بدلہ ہو تو دونوں طرف سے برابری ضروری ہوگی، ایک طرف سے کم اور دوسری طرف سے زیادہ ہو تو سود شمار کیا جائے گا۔ اگر خرید و فروخت کرنے والا تاویل کرے کہ ہم میں سے ایک فریق یہ نوٹ اور سکّہ بطور "ثمن" دے رہا ہے اور دوسرا محض "سامان" کے طور پر، ثمن بنانا مقصود نہیں ہے، اسلئے ہم کمی بیشی کے ساتھ معاملہ کر رہے ہیں، تو اس تاویل کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ سود کے لئے چور دروازہ بن سکتا ہے[۱۳]۔

۴۔ اگر اس ثمنِ اصطلاحی کا رواج ختم ہو جائے تو پھر اس کی ثمن ہونے کی حیثیت ختم ہو جائے گی، اور اس کی حیثیت محض ایک سامان کی سی قرار پائے گی[۱۴]۔

۵۔ اگر اسی اصطلاحی ثمن پر معاملہ طے کیا گیا اور ثمن کی ادائیگی سے قبل ہی اس کا چلن بند ہو گیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہو جائے گی اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بیع باقی رہے گی[۱۵]۔

۶۔ اگر یہ اصطلاحی ثمن بطور قرض لیا جائے اور اس کا چلن ختم ہونے کی وجہ سے اس کی ثمنیت ختم ہو گئی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انہیں سکوں کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس کی وہ قیمت جو چلن ختم ہونے کے وقت بازار میں قائم تھی، ادا کرنی ہوگی، اور اسی رائے پر فتویٰ ہے[۱۶]۔

۷۔ جس طرح سونا اور چاندی کی جنس علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے کے بدلہ کمی بیشی کے ساتھ ان کی خرید و فروخت درست ہے، اسی طرح فلوسِ نافقہ کی جنس بھی علیحدہ سمجھی جائے گی، اس لئے سونے کی ایک خاص مقدار کے مقابلہ اس اصطلاحی ثمن کی جتنی مقدار کا چلن ہو ضروری نہیں کہ اتنے ہی ادا کئے جائیں، کمی بیشی کے ساتھ بھی معاملہ کر لیا

جائے تو جائز ہو گا۔"(۱)

۸۔ البتہ فقہاء نے "ثمنِ خلقی" اور "ثمنِ اصطلاحی" میں اس مسئلہ میں فرق کیا ہے کہ سونا چاندی ایک دوسرے کے بدلے خریدا بیچا جائے تو مجلس کے اندر ہی دونوں فریق کا ایک دوسرے کے عوض پر قبضہ کرنا ضروری ہو گا، اس کے برخلاف اگر سونے یا چاندی کی خرید و فروخت "فلوسِ نافقہ" کے عوض ہو تو مجلس ہی میں قبضہ ضروری نہیں ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ کسی چیز کے "ثمنِ اصطلاحی" بننے اور اس کی ثمنیت پر اتفاق رائے پیدا ہو جانے کا اندازہ کس طرح کیا جائے گا؟۔ تو ہمارے زمانہ کے عرف کے لحاظ سے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ عوام میں بطور خود اس کا چلن ہو جائے، جیسا کہ قدیم کتب فقہ میں مذکور ہے، مگر اس زمانہ میں نظامِ زر پر کنٹرول کے لئے جو اصول و قواعد مقرر ہیں اور جو نہ صرف ملکی اور قومی بلکہ بین قومی سطح پر نافذ ہیں کے تحت ایسا ہونا بظاہر ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حکومت کسی چیز کو "ثمن" قرار دیدے، اور یوں عوام اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں، یہی شکل اس وقت پوری دنیا میں جاری و ساری ہے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ نوٹ کی حیثیت فی زمانہ "اصطلاحی ثمن" کی ہو گئی ہے اور ہمارے زمانہ کے عرف کے لحاظ سے اس میں کسی شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے، آج جب ایک شخص دوسرے کو نوٹ ادا کرتا ہے تو اس کے ذہن میں بالکل یہ بات نہیں رہتی کہ وہ اس کو وثیقہ ادا کر رہا ہے، جس کی ادائگی بینک کے ذمہ ہے، بلکہ وہ اسے مستقل ثمن سمجھ کر ادا کرتا ہے، اس کے برخلاف آج بھی بینک کے چیک اور ڈرافٹ وغیرہ دئے جاتے ہیں، تو دینے والے اور لینے والے دونوں کے ذہن میں اس کی یہ حیثیت رہتی ہے کہ یہ اصل رقم نہیں ہے، بلکہ وثیقہ ہے، اور فقہاء نے ثمن کے سلسلہ میں جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان سے واضح ہے کہ "ثمنیت" پیدا ہونا اصل میں عرف اور رواج ہی پر مبنی ہے اور وہی اس باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، "فلوس نافقہ" اور ایسے درہم و دینار جن پر کھوٹ غالب ہو اور

اور وہ سونا چاندی کے حکم میں باقی نہ رہیں، اس کی واضح نظیر ہیں کہ ان کے "ثمن" تسلیم کئے جانے کی وجہ سوائے رواج و تعامل کے اور کیا ہے؟

بعض حضرات کو شبہہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں مروج "فلوسِ نافقہ" پیتل، تانبے لوہے کے ہوتے تھے، یا ایسے ہوتے تھے کہ ان میں سونا اور چاندی غالب مقدار میں نہ ہوتا تھا، مگر ان کا وجود تو ہوتا تھا، پس چونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی "ذی قیمت" ہوتے تھے، اس لئے ان کو "ثمن" تسلیم کر لیا گیا تھا، جب کہ یہ "کاغذی نوٹ" اپنی اصل کے اعتبار سے گویا بے قیمت ہوتے ہیں، اسلئے ان میں "ثمن" ہونے کی صلاحیت ہی موجود نہیں ہے۔

مگر یہ استدلال محل نظر ہے، سوال یہ ہے کہ "فلوسِ نافقہ" کی جو قیمت تسلیم کی جاتی تھی وہ اس کی ذاتی قدر اور مالیت کی وجہ سے تھی، یا اس کی ثمنیت پر اتفاق و اصلاح قائم ہو جانے کی وجہ سے؟ ظاہر ہے کہ اس کی یہ حیثیت اس کی ثمنیت پر اتفاق ہو جانے کی وجہ سے تھی، یہی وجہ ہے کہ اگر اس کا چلن بند ہو جائے تو مفتی بہ قول کے مطابق بعینہ ان فلوس کا ادا کرنا کافی نہ ہوگا، بلکہ اس کا چلن بند ہونے کے وقت جو قدر تھی وہ ادا کرنی ہوگی[۱۸]۔ نیز چلن بند ہونے کے بعد اس کی حیثیت عام سامانوں کی ہو جائے گی اور خرید و فروخت کے وقت ان کو مشخص و متعین کرنا ضروری ہو جائیگا[۱۹]۔

دوسرے اگر محض کسی چیز کا "ذی قیمت" ہونا اس کے ثمن بننے کا سبب ہو تو "کاغذ" جس سے نوٹ بنتے ہوں وہ بھی اپنی قیمت رکھتے ہیں، اسلئے ان کو بھی ثمن تسلیم کیا جانا چاہیے اور اگر ثمن ہونے کے لئے وہ "قدر" ضروری ہو، جو اس کو "ثمن" تسلیم کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے تو اس لحاظ سے "فلوسِ نافقہ" کو بھی ثمن نہیں کہنا چاہیے، اسلئے کہ عرف اور رواج میں اس کی جو قدر تسلیم کی جاتی ہے، وہ اس کے اندر موجود تانبے پیتل کے اعتبار سے نہیں ہوتی، بلکہ عرف و رواج کی وجہ سے، اس طرح فلوس نافقہ کے جو احکام جو فقہاء نے ذکر کئے ہیں ان کی روشنی میں مروجہ نوٹ اور سکوں کے احکام حسب ذیل ہوں گے:۔

۱۔ نوٹوں کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بعد میں وہ

ضائع ہو جائے تو زکوٰۃ ادا کرنے والوں پر اس کی ذمہ داری نہ ہوگی۔

۲۔ نوٹ جو مہر اور قرض وغیرہ کی شکل میں واجب الادا ہوں، وہ اسی مقدار میں واجب ہوں گے جو معاملے کے وقت طے پائے تھے، یا بطور قرض لئے تھے، اس کی قدر اور قوتِ خرید میں کمی بیشی کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:۔

ولا یتخیر البائع وعکسہ لو غلت
قیمتھا وازدادت فالبیع علیٰ حالہ
ولا یتخیر المشتری۔

۳۔ نوٹ اور سکوں سے سونا اور چاندی خرید کیا جائے تو دونوں کی جنس علیحدہ علیحدہ تصور کی جائے گی اور حکومت کے مقرر کردہ نرخ کے اعتبار سے مساوات و برابری ضروری نہ ہوگی، جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔

۴۔ سونا اور چاندی، سکوں اور نوٹوں کے ذریعہ خرید کیا جائے، تو یہ ضروری نہ ہوگا کہ اسی مجلس میں فریقین عوض پر قبضہ کرلیں، جیسا کہ فلوسِ نافقہ کے متعلق ذکر ہوا۔

۵۔ اگر "فلوسِ نافقہ"، کو سونے کا وثیقہ نہ مان کر مستقل ثمن اور مستقل جنس مان لیا جائے تو پھر مختلف ممالک کے سکوں کی الگ الگ جنس ہو جائے گی اور ان کے باہم تبادلہ میں کسی خاص قدر کی رعایت ضروری نہ ہوگی، اگر حکومت کے مقررہ نرخ سے کم یا زیادہ میں ان کا باہم تبادلہ کیا جائے تو بھی درست ہوگا۔

ھٰذا ما عندی، واللہ اعلم بالصواب۔

حواشی و حوالہ جات

(۱) امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۔

(۲) آلات جدیدہ کے شرعی احکام۔

(۳) یہی رائے مولانا مفتی نظام الدین، مفتی دار العلوم دیوبند کی ہے۔ نظام الفتاویٰ۔

(۴) مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب البیوع، نرخ در بیع سلم، سلم در فلوس رائجہ

(۵) تکملۂ فتح الملہم ج ۱ ص ۵۱۷ بحوالہ: عطر الہدایہ، ص ۲۱۸ - ۲۲۷ مطبوعہ دیوبند۔

۶۔ تکملہ فتح الملہم، ج ۱ ص ۵۱۹۔

۷۔ "ویمکن اعتبارہ کسند عند الدائن کدین لہ علی البنك" تکملہ فتح الملہم ج ۱ ص ۵۱۹، بحوالہ دائرۃ المعارف برطانیہ، مطبوعہ ۱۹۵۰ء

۸۔ دین کی ذمہ داری مقروض سے اسکی ضمانت لینے والے (　　　) کی طرف منتقل کردینے کو حوالہ کہتے ہیں۔ التعریفات للجرجانی ص ۱۲۶۔

۹۔ صاحب ہدایہ ایک مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ بخلاف النقود لأنہ للثمنیہ خلقۃ، ج ۳ ص ۶۵۔

۱۰۔ ہدایہ، ج ۳، ص ۹۳۔

۱۱۔ فلوس نافقہ سے تانبے، پیتل وغیرہ کے وہ سکے مراد ہیں، جن کا چلن ہو۔

۱۲۔ عالمگیری، ج ۳، ص ۱۰۷۔

۱۳۔ حوالۂ سابق۔

۱۴۔ ومشائخنا یعنی مشائخ ماوراء النہر من بخارا وسمرقند لم یفتوا بجواز ذلك أی ببیعها بجنسها متفاضلا فی العدالی والغطارفۃ مع أن الغش فیها اکثر من الفضۃ لانها اعز الاموال فی دیارنا فلو ابیح التفاضل فیها ینفتح باب الربا الصریح، فان للناس حینئذ یعتادون فی الاموال النفیسۃ فیتدرجون ذلك فی النقود الخالصۃ البحر الرائق، ج ۶ ص ۲۰۱۔

۱۵۔ تتعین بالتعیین إن کانت لا تروج لزوال المقتضی للثمنیہ وهو الإصطلاح وهذا لانها فی الاصل سلعۃ وأنها صارت اثمانا بالإصطلاح فاذا ترکوا المعاملۃ بها رجعت الی اصلها، حوالہ سابق۔

۱۶۔ رجل اشتری بالفلوس الرائجۃ والعدالی فی زماننا شیئا وکدت الفلوس قبل القبض و صارت لا تروج رواج الأثمان فی عامۃ البلدان .... وعند الکساد لیفسد العقد فی قول ابی حنیفۃ۔ فتاوی قاضی خان، ج ۲ ص ۳۰۷۔

۱۷۔ ولو استقرض من الفلوس الرائجۃ او العدالی فکسدت قال ابو حنیفۃ یجب علیہ مثلها، کاسدۃ ولا یغرم قیمتها وقال ابو یوسف علیہ قیمتها یوم القبض وقال محمد یغرم قیمتها فی آخر یوم کانت رائجۃ وعلیہ الفتوی، حوالۂ سابق ص ۳۰۸۔

۱۸۔ ثم فرق بین الدراهم بالدراهم والدنانیر بالدنانیر وبیع الفلوس بالدراهم وبالدنانیر حیث لم یشترطنی بیع الفلوس بالدراهم او بالدنانیر قبض البدلین قبل الافتراق ویکتفی بقبض احد البدلین۔ عالمگیری ج ۳۔ ص ۱۰۷۔

۱۹۔ وقال ابو یوسف علیہ قیمتها یوم البیع وعلیہ الفتوی، فتح القدیر ج ۵، ص ۳۷۹۔

۲۰۔

۲۱۔ فتح القدیر ج ۶ ص

سوال و جواب

مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی
شیخ الحدیث دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

طلاق کا ایک اہم مسئلہ

ایک شخص نے جمعرات کو دن گذار کر رات کے گیارہ بجے یہ کہا کہ "کل شام تک میری بیوی میرے گھر نہیں آئی تو اس کو تین طلاق۔ بیوی کو اس یمین کی خبر نہیں ہوئی اور وہ سنیچر کی شام کو شوہر کے گھر آئی، اس صورت میں چند سوالات ہیں:

۱ــــ کیا کل سے مراد جمعہ کی شام تک لیا جائے گا یا سنیچر کی شام تک؟ اعتبار لغت کا ہوگا یا عُرف کا؟ تفصیل و وضاحت اور استدلال کے ساتھ جواب مطلوب ہے جو مختلف فتاویٰ کے مابین فصل کا کام کرے۔

۲ــــ فقہاء نے باب یمین میں جو اصول بتائے ہیں انکی روشنی میں "عدم حضور المرأۃ فی بیت الزوج" شرط حِنث ہے جو عدمی ہے اور موقت ہے، اصول ہے "العجز عن فعل المحلوف علیه یبطلها ایضا لو موقتة لا لو مطلقة" کی روشنی میں کیا عورت کا یمین سے بے خبر ہونا عجز عن فعل المحلوف علیه کا مصداق ہے یا نہیں؟

۳ــــ کیا عدمِ انعقاد یمین اور حِنث میں مانع ہے؟ براہ کرم پوری صورت سامنے رکھ کر تفصیل سے جواب ارسال فرمائیں۔

مولانا مجاہد الاسلام صاحب القاسمی قاضی شریعت بہار و اڑیسہ (پھلواری شریف پٹنہ)

الجواب:ـــــــ مناسب یہ معلوم ہوا کہ اولاً بطور اصول موضوعہ چند مقدمات لکھ دیئے جائیں تاکہ مختصر جواب بھی ان مقدمات کی روشنی میں کافی بن جائے فہا ھو ذا !!

۱ــــــ فقہاء کا مشہور قاعدہ ہے بناء الایمان علی عرف الحالف لا علی عرف اللغۃ والقرآن۔ ساتھ ہی دوسرا قاعدہ ہے بناء الایمان علی الالفاظ لا علی الاغراض۔ ان دونوں قاعدوں کی روشنی میں فقہاء فرماتے ہیں کہ بالعرف یخص ولا یزاد، چنانچہ کوئی یوں قسم کھائے لا ارکب دابۃً تو دابۃ لغوی طور پر عام ہے، انسان اور چوپایہ سب پر مشتمل ہے، عُرف سے اس میں تخصیص ہو سکتی ہے اور رکوب علی الانسان سے حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر یوں قسم کھائے کہ لا اکلمك تو لفظ کلام لغوی طور پر خاص ہے بالمشافہ گفتگو کے ساتھ، اَب اگر حالِف کے عرف میں عدم کلام کا مطلب قطعِ تعلق ہو عدم رسالۃ، عدم کتابت سب پر مشتمل ہو اور حالف کا مقصد اس لا اکلمك سے یہی عام معنی ہو تو لغوی طور پر اس معنی خاص میں عرف کے سبب عموم پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ بناء الایمان علی الالفاظ لا علی الاغراض کا تقاضا یہی ہے چنانچہ اگر اس حالف نے کسی شخص کے ذریعہ کوئی پیغام بھیجا یا خط لکھا تو اسے حانث نہیں کہا جائے گا بلکہ بالمشافہ گفتگو ہی سے حانث ہوگا۔ یہ دونوں جزیئے کتبِ فقہ میں صراحۃً موجود ہیں ـــــــ۔

۲ــــــ رکن الیمین ھو ذکر الشرط الصالح والجزاء الصالح وصالحۃ الشرط کونہ معدوما فی الحال وممکن الوجود حقیقۃ لا عادۃً فی المستقبل وصالحۃ الجزاء کونہ متعین الوجود او غالب الوجود عند وجود الشرط۔

۳ــــــ الحمل والمنع من الاغراض المطلوبۃ من الیمین فانعدامہا لا یخرج التصرف عن کونہ یمیناً۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں اذا جاء غد فانت طالق کان یمیناً عند اصحابنا مع ان الحالف لا یقدر علی الامتناع من

مجیئ غد ـــــــــــــــــــــــــ

۴ـــــ اذا کان شرط الحنث عدمیا فان عجز عن شرط البر لفوات محلہ لا یحنث وان مع بقاء المحل حنث سواء کان المانع حسیاً او لا وکذا یحنث لو کان المانع مستحیلا عادۃ کمس السماء ۔

۵ـــــ کتبِ فقہ میں ایک جزئیہ مصرح ہے " حلف ان لم یخرب بیت فلان غداً فقید ومنع حتی مضی الغد حنث لان العجز لم ینشا عن فوات المحل لان المحل فیہ ھو الحالف وھو موجود فاذا لم یخرب تحقق شرط الحنث لبقاء المحل وان عجز حقیقۃ لامکان البر عقلا بان یطلقہ حابس لہ ـــــ واضح ہو کہ صورت مسؤلہ میں عورت کے عدم علمِ یمین کے باوجود عقلاً بر ممکن ہے ۔

۶ـــــ متی عجز عن فعل المحلوف علیہ والیمین موقت فانہا تبطل فالمراد بالعجز ھو العجز الحقیقی کما فی مسئلۃ الکوز، حلف لیودین الیوم دینہ فعجز لفقرہ وفقد من یقرضہ حنث لان شرط البر ممکن بان یغصب مالا او یرث قریباً او یجد من یقرضہ فان ذلک لیس بابعد من مس السماء ۔ یہاں بھی یہ مدنظر رہے کہ اس مثال میں شرطِ حنث عدمی ہے اور موقت ہے لیکن شرط بر سے عجز حقیقی نہیں لبقاء المحل اور عقلا بر ممکن ہے ۔

۷ـــــ تعلیق طلاق عورت کے کسی ایسے فعل پر ہو جس کا دونوں طرف عورت کے تحت القدرۃ ہو تو اس کی دو شکل ہے (۱) بصیغۂ غائب (۲) بصیغۂ خطاب ۔ پہلی صورت میں وجود شرط سے وقوع طلاق کا حکم لگے گا خواہ اس یمین کی خبر عورت کو ہو یا نہ ہو چنانچہ فقہاء علم اور عدمِ علم کی تفصیل کئے بغیر لکھتے ہیں :۔ ولو قال کل امرأۃ لی طالق اذا دخلت ھذہ الدار فالطلاق علی الدخول دوسرا جزئیہ کل امرأۃ لی طالق اذا دخلت ھذہ الدار ثم طلق واحدۃ بعینہا ودخلت فی العدۃ طلقن جمیعاً ۔ تیسرا جزئیہ ہے رجل قال لامرأتہ انت ومن دخلت الدار

من نسائی طالق طلقت المخاطبۃ فی الحال فان دخلت فی العدۃ طلقت اخریٰ فی العدۃ لان الدخول فی الخطاب الخاص لا یمنع الدخول فی الخطاب العام۔ یہاں " فی الخطاب العام" پر غور کیا جائے۔ کیا اگر دوسری بیوی داخل دار ہو جائے تو بدونِ علمِ یمین وقوعِ طلاق کا حکم نہیں لگے گا؟ لیکن دوسری صورت میں چونکہ حالف عورت کو مخاطب کر کے گویا محلوف علیہ کے فعل یا ترکِ فعل کا امر کرتا ہے مثلاً ان دخلت هٰذہ الدار فانت طالق میں ترک دخولِ دار کا حکم اور ان لم تدخلی هٰذہ الدار فانت طالق میں گویا دخولِ دار کا امر کرتا ہے اس لئے بشکلِ خطاب اگر یمین ہو تو اس یمین کی خبر عورت کو ہونا ضروری ہے بغیر علم کے انعقاد یمین ہی نہیں ہوگا کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے "حکم الامر لا یتوجہ علی المامور بدون العلم"۔ باقی رہا اگر تعلیقِ طلاق عورت کے کسی ایسے فعل پر ہو جس کی کوئی طرف اس کے تحت القدرۃ نہیں صرف تکوینی طور پر اس فعل کا صدور اس سے ہوا کرتا ہے مثلاً ولادت اور حیض وغیرہ تو اس میں علی الاطلاق وجود شرط کے بعد وقوع طلاق کا حکم لگتا ہے۔ خواہ شرط حنث وجودی ہو یا عدمی، موقت ہو یا مطلق، عورت کو یمین کی خبر ہو یا نہ ہو کما ھو الظاھر والمصرح۔

مقدمات بالا کی روشنی میں صورت مسئولہ کا نمبر وار جواب یہ ہوگا:۔

۱ــــــ کل شام تک سے مراد جمعہ کی شام ہوگی بحکمِ مقدمہ ۱۔

۲ــــــ یہ صورت چونکہ یمین صحیح اور منعقدہ کی ہے بحکم مقدمہ ۲ اس لئے عدم حضور المرأۃ فی بیت الزوج کے تحقق کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی، عورت کا اس یمین سے بے خبر ہونا اس بحز عن فعل المحلوف علیہ کا مصداق نہ ہوگا جو مبطل یمین ہے بحکم مقدمہ ۴ و ۵ و ۶ و ۷ کیوں کہ یہاں عدم علم بالیمین ایک مانع طبعی کے ہوتے ہوئے بھی عقلاً بر ممکن ہے کہ کسی طرح عورت کو یمین کی خبر ہو جائے اور وہ آجائے۔ تنویراً للمسئلہ اس جزئیہ کو بھی دیکھ لیجئے لو قال لہا فی منزل والدھا ان لم تحضری منزلی اللیلۃ فانت طالق فمنعہا الوالد من الحضور تطلق لامکان البر عقلاً مع وجود المانع الحسّی۔ عورت کے عدم علم بالیمین سے صرف یہ اثر مرتب ہوگا کہ

یمین منع وحمل کے معنی سے خالی ہوجائے گا جو مانع عن انعقاد الیمین نہیں ہے بحکم مقدمہ ۳ ۔

۳ ——— یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا، بظاہر مہمل معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس سوال کا مطلب بحذف لفظ "عدم" یوں نکالا جائے کہ کیا عجز عن فعل المحلوف علیہ انعقاد یمین اور حنث میں مانع ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ حالف نے اگر اپنے کسی ایسے فعل پر تعلیق طلاق کیا جس کے کرنے سے وہ حقیقۃً عاجز ہے نہ کہ عادۃً تو یہ تعلیق علی المحال ہے اور الیمین علی المحال لاینعقد مشہور قاعدہ ہے۔ اس لئے یہ عجز انعقاد یمین اور حنث میں یقیناً مانع ہوگا۔

اور اگر سوال کا مطلب بحذف لفظ "اور" یہ لیا جائے کہ کیا عدم انعقادِ یمین حنث میں مانع ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا جواب بلفظ نعم ہی ہوسکتا ہے۔ ھٰذا ماعندی والعلم عنداللہ ——— فقط

وَاللہ تعالیٰ اعلم بالصّواب۔

پی، ایف کی رقم کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حکومت یا پرائیوٹ کمپنی کے بعض ملازم کو بعض دفعہ اس کی موت کے بعد کچھ رقمیں ملا کرتی ہیں مثلاً پروڈنٹ فنڈ، بیمہ پالیسی میں جمع شدہ رقم، اسی طرح سرکاری یا پرائیوٹ ملازم کو ریلوے یا ہوائی حادثہ سے مرجانے پر ملنے والی رقم یا فوج وسپاہی کو جو جنگ میں مارے جانے پر حکومت انعامی رقم دیتی ہے۔ یہ ساری رقمیں اس مرحوم کا ترکہ بن کر اس کے سارے ورثہ میں منقسم ہوگی یا اس کے حقدار صرف وہی وارث ہوں گے جو حکومت وکمپنی کے یہاں اس کا نومنی ہے؟ ——— المستفتی

محمّد ہارون، مدھوبنی

الجواب :———

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من ترك مالاً او حقاً فلورثتہ"

اس سے معلوم ہوا کہ وراثت یا تو مال متروکہ میں جاری ہوگی یا حق متروکہ میں۔ اور ظاہر ہے کہ جہاں وراثت جاری ہوتی ہے وہاں ورثہ میں سے کسی ایک کو کل مال یا کل حق ہرگز نہیں دیا جاسکتا بلکہ حسب تخریج شرعی ورثہ میں منقسم ہوگا۔ اس کی روشنی میں مسئلہ زیر بحث کی مختلف شکلوں کا حکم ہمارے ذہن میں اس طرح ہے! ان اصبت فمن اللہ وان اخطأت فمنی ومن الشیطان۔

۱۔۔۔۔ کسی سرکاری یا پرائیوٹ ملازم کی موت کے بعد اس کے نام پر جمع پرویڈنٹ فنڈ کی رقم نکلتی ہے یہ رقم اس مرحوم کا حق ہے جو عقد اجارہ میں ایک خاص معاہدہ کے تحت اس کی اجرت سے وضع ہوکر جمع ہوتی رہتی ہے اور کچھ اس میں حکومت و کمپنی کی طرف سے ضم ہوتی ہے۔ اگر حکومت یا پرائیوٹ کمپنی اس رقم کے دینے سے انکار کردے تو اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ ایسی رقم کی وصولی کے لئے اپنے ورثہ میں سے کسی کو یا اجنبی کو اگر وہ نامزد کرچکا ہوتا ہے تو اس نومنی کی حیثیت محض وکیل بالقبض کی ہوگی اور اگر نامزدگی نہیں ہوتی ہے تو سارے ورثہ اسے نکاسی کا حق رکھیں گے اور جس وارث کے قبضہ میں بھی اولاً وہ رقم پہونچے گی بطور امانت ہوگی، اسے حقدار میں تقسیم کرنا قانوناً، اخلاقاً اور شرعاً ضروری ہوگا۔

۲۔۔۔۔ بیمہ پالیسی کے تحت جمع شدہ رقم یا تو میّت کا مال ہوتا ہے یا ایک معاہدہ اور عقدِ فاسد کے تحت اس کے مال کا منافع جو یقیناً اس کا حق ثابت ہے چنانچہ عدم ادائیگی کی شکل میں اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اس طرح یہ رقم بھی میّت کا مال متروکہ بن جاتا ہے اس میں بھی وراثت جاری ہوگی۔

۳۔۔۔۔ سرکاری یا پرائیوٹ ملازم کے ریلوے یا ہوائی حادثہ میں مرجانے پر حکومت یا کمپنی ایک رقم دیتی ہے اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اگر حکومت یا کمپنی کا طے شدہ ضابطہ اور قانون ہو کہ وہ اس قسم کے اتفاقی اور ناگہانی حادثہ کے وقت اپنے ملازم کی جان کا معاوضہ اتنی رقم ادا کرے گی اور عدم ادائیگی کی شکل میں اسے عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے تو ماثبت بالعرف کماثبت بالنص کے تحت یہ بھی اس ملازم مرحوم کا ایک متروکہ حق

بن جائیگا جن میں وراثت جاری ہوگی اور ایسی صورت میں اگر اس کا کوئی نامزد ہوگا تو اس کی حیثیت محض وکیل بالقبض کی ہوگی لیکن اگر اسطرح کا کوئی قانون وضابطہ نہ ہو بلکہ حکومت وکمپنی کے اختیار اور صوابدید پر ہو تو وہ اسے عدالت میں چلینج نہیں کیا جاسکتا ہو تو اسے صرف احسان وکرم اور فقہاء کی اصطلاح میں "تبرع مبتدأ" کہیں گے جو اس ملازم مرحوم کے پسماندگان کی اشک شوئی ہوگی اس کا مالک وہی قرار دیا جائے گا جسے حکومت یا کمپنی دیگی۔ خواہ نامزد ہو یا نہ ہو اور بیوی ہو یا بیٹا۔

۴ـــــ کسی ملازم کی موت کے بعد بطور انعام جو رقم ملتی ہے اس میں وراثت جاری نہ ہوگی کیوں کہ انعام وہ رقم کہلاتی ہے جو حسن خدمت، عمدہ کارکردگی اور بہترین کارگذاری کے اعتراف کے طور پر کوئی کسی کو دیتا ہے جو عرفاً بھی انعام دینے والے پر لازم وضروری نہیں ہوتا اور نہ انعام پانیوالے کا حق ثابت سمجھا جاتا ہے چنانچہ اگر انعام دینے سے کوئی انکار کر جائے تو اسے قانوناً وعرفاً مطعون اور عدالت میں چلینج نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اتلافِ حقوق کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکتا ہے مگر عطیہ اور بخشش کو نہیں ـــــ اسطرح موت کے بعد ملنے والی انعامی رقم نہ تو اس میّت کا مالِ متروکہ ہوا نہ حق متروکہ، پھر وراثت کیسے جاری ہوگی۔ بلکہ حکومت یا کمپنی اس میت کے نامزد شخص یا جس وارث کو دیگی ایک تبرع واحسان کرے گی وہ اس کی طرف سے ایک مستقل عطیہ اور ہبہ ہوگا اور جو بھی ایسی رقم پائے گا وہ موہوب لہٗ کی حیثیت سے اس پر قابض ہو کر مالک گردانا جائے گا ـــــ ممکن ہے کہ اس انعامی رقم کو دیت پر قیاس کر کے اسے ترکہ قرار دیا جائے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہو سکتا کیوں کہ دیت تو ضمان جنایت کے طور پر جان کے بدلے کی حیثیت سے عاقل قاتل پر شرعاً واجب ہے۔ گویا دیت اس مرحوم کا حق شرعی ہے جو من ترك مالاً او حقاً فلورثته کے تحت آکر حق متروکہ قرار پاکر حسب تخریج شرعی ورثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں "لا شك ان القصاص من حقه لانه بدل نفسه فيستحقه جميع الورثة بحسب ارثهم كالدية"، مگر انعامی رقم کی یہ حیثیت ہرگز نہیں ہے اسلئے اسے ترکہ قرار دینا مشکل ہے ـــــ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حافظ محمد تاج الدین خان
ششم عربی

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری

۱۹۴ھ ـــــ ۲۵۲ھ

محمد بن اسمٰعیل بن ابراھیم بن مغیرہ جعفی بخاری ہے۔ جعفی کی نسبت خاندان کے ایک سردار کی طرف ہے۔ اس کے خاندان اور کل نسل کو جعفی کے لقب سے منسوب کیا جاتا تھا، آپ کی ولادت ۱۲ر شوال ۱۹۴ھ کو بعد جمعہ ہوئی۔ اور وفات یکم شوال ۲۵۲ھ ہفتہ کی شب نمازِ عشاء و مغرب کے درمیان ہوئی۔ اور عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی عمر ۱۲ر دن کم باسٹھ ۶۲ سال تھی نقل کیا جاتا ہے کہ جب لوگ آپ کو سپرد خاک کر کے لوٹ رہے تھے، تو مشک کی سی خوشبو محسوس کی جانے لگی۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب تشریف فرما ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضور صلعم نے جواب دیا۔ میں نے پوچھا، یہ خوشبو کیسی ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ ہم محمد بن اسمٰعیل کے انتظار میں ہیں۔ چند دن کے بعد میں نے سُنا کہ اسی دن اور اسی وقت آپ کا انتقال ہوا۔

جب آپؒ بطن مادر سے کنار عالم میں تشریف لائے۔ تو آپ نابینا تھے۔ والدہ نے گریہ و زاری کے ساتھ آپ کی صحت کے لئے دُعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت یاب فرمایا۔

اِبتدائی تعلیم ماں کے پاس ہی حاصل کی، احادیث کے حفظ کرنے کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ جب دس سال کے ہوئے تو شوقِ تعلیم نے کروٹ لی۔ آپ کو معلوم ہوا کہ بخارا میں امام داخلیؒ درسِ حدیث دے رہے ہیں تو آپ فوراً امام داخلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام داخلیؒ اپنے نسخہ سے لوگوں کو احادیث سُنا رہے تھے۔ آپ نے اثناء درس میں ٹوکا۔ امام داخلیؒ نے اپنی غلطی تسلیم نہیں کی۔ جب گھر واپس آ کر نسخہ سے مقابلہ کیا تو غلطی تسلیم کر لی۔

آپ کے بارے میں امام مسلمؒ نے ارشاد فرمایا : مجھ کو اس سرزمین پر اب تک امام بخاری کی طرح ذہین شخص نظر نہیں آیا۔ آپ کی قوت حفظ اور ذکاوت سے متعلق ایک واقعہ اہلِ علم کے ہاں معروف ہے ۔ آپ روزانہ مدرسہ جایا کرتے تھے ۔ آپ کا معمول تھا کہ صرف درس سُن کر لوٹ جاتے تھے ۔ آپ کے ساتھی یہ دیکھ کر سمجھتے تھے کہ یہ کچھ لکھتا نہیں ہے ۔ بس یہ یونہی وقت ضائع کرتا ہے ۔ اس کو یہ تمام حدیثیں کیونکر یاد رہ سکیں گے ۔ چنانچہ رفقاء درس آپ کو تنگ کیا کرتے ۔ آپ نے ایک دفعہ ہر درس کی نقل کی ہوئی تمام حدیثیں علاحدہ علاحدہ سُنادیں، چنانچہ رفقاءِ درس حیرت زدہ رہ گئے۔

امام بخاریؒ نے حجاز کے تیسرے سفر میں مسجد نبوی صلعم سے متصل ایک شب خواب دیکھا کہ میرے ہاتھ میں ایک خوبصورت مورچھل ہے ۔ اور میں اس کو بہت ہی اطمینان سے اٹھا رہا ہوں ۔ صبح کو امام صاحب نماز سے فارغ ہوکر علماء معتبرین کے سامنے خواب پیش کیا ۔ علماء نے جواب دیا کہ تم صحیح حدیثوں کو جھوٹے حدیثوں سے ممتاز کروگے ۔

ایک مرتبہ آپ کے استاد شیخ بن اسحاقؒ نے آپ سے ارشاد فرمایا : اے محمد ، تو اگر اس طرح کی تالیف کرتا تو کیا ہی اچھا ہوتا ۔ جس میں ایک لاکھ صحیح احادیث ہوں ؟ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے استاد کے اس ارشاد اور خواب کی تعبیر کے بعد میں نے اپنی توجہ خاص اس طرف مبذول کر دی ۔

صحیح بخاری جس کو قرآن مجید کے بعد "اصح الکتب" ، قرار دیا گیا ہے ، اور جو ایک لاکھ احادیث کا جوہر انتخاب ہے اسی خواب کی تعبیر اور اسی ارشاد کی تعمیل ہے ۔

بقیہ : امام مسلم بن حجاج صـ ۶۸ سے آگے ۔

یہی غیر معتدل تعداد میں تناول خرما آپ کی موت کا باعث بنا ۔

ابو حاتم رازی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حالت دریافت کی تو فرمایا :

اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے لئے جنت کو مباح کر دیا ہے ۔

حافظ مصلح الدین
پنجم عربی

امام مسلم بن حجاج قشیری

امام مُسلم خراسان کے مشہور مردم خیز شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، جس کے متعلق علامہ یاقوت حموی فرماتے ہیں کہ وہاں سے اتنے آئمہ علم نکلے، جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اور علامہ تاج الدین کا بیان ہے کہ شہر نیشاپور اتنے عظیم شہروں میں سے تھا کہ بغداد کے بعد اس کی کوئی نظیر نہ تھی۔ اہل تاریخ نے اس کو اُمّہات البلاد لکھا ہے۔ اور اس کی علمی حالت یہ تھی کہ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ وہیں تعمیر ہوا، جس کا نام مدرسہ بیہقیہ تھا۔ اور امام غزالیؒ استاذ امام الحرمین نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی۔

علامہ ذہبی نے آپ کے سماع حدیث کی ابتدا کا زمانہ ۲۱۸ھ کو قرار دیا ہے۔ گویا آپ کے سماع حدیث کا زمانہ چودہ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے بھی آپ کو سماع حدیث کے مواقع حاصل تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام موصوف نے اس کو اس وقت کے لئے رکھ رکھا جو ہر چیز کی اہلیت کا زمانہ ہے۔ اور آپ نے اس فن کے نشیب و فراز کو سمجھتے ہوئے اس کوچہ میں قدم رکھا۔ آپ نے عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی، کسی کو برا بھلا نہیں کہا، شیوخ کا بے حد ادب و احترام کرتے۔ امام بخاری کے نیشاپور کے زمانہ قیام میں جب وہاں دوسرے اہل علم کی مجالس درس سے رونق ہو گئیں اور خلق کا امام بخاری پر ہجوم ہونے لگا تو حاسدین نے حسد کیا۔ عوام تو کیا امام ذہلی تک اس سے بچ نہ سکے اور اپنی مجلس درس میں اعلان کر دیا: اَلَا مَنْ كَانَ يَقُولُ بِقَولِ الْبخاری فِی مَسْئَلَۃِ اللَّفظِ بِالْقُرآنِ فَلیَتَنزِلْ مَجْلِسَنَا۔ کہ جو شخص امام بخاری کا ہم خیال ہو اور الفاظ قرآنی کے غیر مخلوق ہونے کا قائل ہو، وہ ہماری مجلس درس میں نہ آئے۔ اعلان سن کر امام مسلم اور ابن سلمہ فوراً اٹھے اور امام ذہلی سے مسموعہ مسودے ان کو واپس کر دیئے۔

امام صاحب کی فطری قابلیت اور قوت حافظہ کی وجہ سے لوگ گرویدہ تھے کہ اسحق ابن راہویہ جیسے امام فن نے آپ کی ابتدائی اٹھان ہی میں ان الفاظ میں پیشن گوئی کی : اَیّ رَجُل یکُونُ ھٰذَا خدا جانے یہ شخص کس بلا کا ہوگا ؛

احمد ابن سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے شیخ ابوذرعہ اور ابوحاتم کو دیکھا کہ وہ امام مسلم کو احادیثِ صحیحہ کے باب میں اپنے ہمعصر مشائخ پر ترجیح دیتے تھے ۔ حافظ ابوقریش کہتے ہیں کہ دنیا میں حفاظِ حدیث چار ہیں ۔ ان میں سے ایک امام مسلم ہیں ۔

ابو عمر حمدان کہتے ہیں کہ میں نے شیخ ابن عقدہ سے پوچھا کہ امام بخاری حافظ تر ہیں یا امام مسلم ؛ انھوں نے کہا کہ دیکھو بھائی ، یہ دونوں عالم ہیں ۔ میں نے بار بار یہی سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ : امام بخاری کبھی کبھی اہل شام کی بابت غلطی کر جاتے ہیں ، بخلاف امام مسلم کے ۔

آپ کس مسلک سے تعلق رکھتے تھے ؟ اس بارے میں بہت اختلاف ہے ۔ علامہ کشمیری کہتے ہیں کہ امام مسلم اور ابن ماجہ کا مسلک معلوم نہیں ہے ۔ نواب صدیق حسن خاں نے انھیں شافعی شمار کیا ہے ۔ صاحب کشف فرماتے ہیں : اَلْجَامِعُ الصَّحِیْحُ لِلْاِمَامِ الْمُسْلِمِ الشَّافِعِیؒ ۔ مولانا عبدالرشید صاحب کہتے ہیں کہ آپ مالکی المذہب تھے مگر طبقات مالکیہ میں آپ کا تذکرہ نہیں ہے شیخ عبداللطیف سندی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی اور امام مسلم کے متعلق عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ دونوں امام شافعی کے مقلد ہیں ۔ شیخ طاہر جزائری کی بھی یہی رائے ہے کہ کسی امام کے مقلد نہیں تھے ۔ البتہ شافعی وغیرہ اہلِ حجاز کی مسلک کی طرف مائل تھے ۔

امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کا انتخاب ایسی تین لاکھ روایات سے کیا ہے ، جن کو آپ نے براہ راست اپنے شیوخ سے سُنا تھا ۔ امام مسلم نے اپنی جمع صحیح میں صرف اپنی ذاتی تحقیق ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ایسی تمام روایتوں کو جمع کیا ہے جن پر علماء وقت کا اتفاق تھا ۔

امام مسلم نے ۲۵ رجب ۲۶۱ھ کو بروز یکشنبہ وفات پائی ، دوشنبہ کو جنازہ اٹھایا گیا اور نیشاپور کے باہر نصیر آباد میں دفن کئے گئے ۔ وفات کا واقعہ بھی عبرت ناک اور آپ کے انہماک کا شاہد ہے مجلس درس کے اندر ایک حدیث بھول گئے ، گھر واپس ہوئے تو کھجور کا ایک ٹوکرا پیش کیا گیا ۔ حدیث کی جستجو اور تلاش میں اتنے محو ہوئے کہ آہستہ آہستہ پورا خرما تناول فرمالیا ۔ اور وہ حدیث بھی مل گئی ۔

(باقی بر صفحہ ۶۶)

حافظ ظفر الاسلام
بنجم عربی

امام ابو عیسیٰ ترمذی

۲۰۹ھ ــــــ ۲۷۹ھ

نام محمد، کنیت ابو عیسیٰ۔ اور والد کا نام عیسیٰ ہے۔ پورا نسب اس طرح ہے۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ سلمی۔ ترمذی، بوغی۔ قبیلہ بنو سلیم سے تعلق ہے۔ اس لئے سلمی کہلاتے ہیں۔ بوغی قریہ بوغ سے منسوب ہے۔ بوغ ترمذ سے تھوڑے فاصلہ پر ہے۔ آپ نام سے زیادہ ترمذ ہی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ کیونکہ آپ اپنے دادا لیث بن یسار ہی کے زمانہ میں ترمذ جا چکے تھے۔ سنہ ۲۰۹ھ میں ترمذ میں پیدا ہوئے۔ علمِ حدیث کی تحصیل کے لئے بصرہ، کوفہ، واسط، خراسان اور متعدد علاقوں کے سفر کئے۔ نیز حجاز میں برسوں زندگی بسر کی۔

امام صاحب کو جہاں بڑے بڑے محدثین سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ وہیں قاسم ازلی نے قوتِ حافظہ بھی خوب عطا فرمایا۔ ان کی قوتِ حفظ کا ایک واقعہ اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔

ایک مرتبہ ایک شیخ سے احادیث کے دو جزو سُنے، دوبارہ پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ اتفاق سے مکہ مکرمہ کے راستہ میں پھر شیخ سے ملاقات ہوگئی۔ امام صاحب نے شیخ سے مزید احادیث سُنانے کی فرمائش کی۔ شیخ نے پہلے والے دونوں جزو نکالنے کو کہا۔ امام صاحب کے پاس یہ حدیثیں لکھی ہوئی صورت میں موجود نہ تھیں۔ اتفاق سے آپ کے پاس دو سفید کاغذ تھے۔ آپ نے دونوں کاغذ کو نکالا اور اس طرح سامنے رکھا جیسے کوئی کتاب رکھی جاتی ہے۔ شیخ صاحب سُنانے لگے، اسی درمیان شیخ کی نظر اس کاغذ پر پڑی۔ جو بالکل سفید اور معرّیٰ تھا۔ شیخ بہت خفا ہوئے۔ امام صاحب نے عرض کیا کہ گو وہ اجزا میرے پاس لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ لیکن لکھے ہوئے سے زیادہ محفوظ ہیں۔ شیخ نے خفگی کے ساتھ سُنانے کا حکم فرمایا۔ آپ نے بے تکلف صحیح صحیح سُنا دیا۔ شیخ صاحب نے سمجھا کہ شاید یہ رٹ رکھا ہے، اسی لئے جلدی جلدی سُنا دیا۔ (باقی برصفحہ ۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ افتتاحیہ

بموقع تقریب افتتاح "دورۂ حدیث" دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

بتاریخ ۴ ذوقعدہ ۱۴۰۸ھ م ۱۹ جون ۸۸ء روز یکشنبہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آلہ الطاہرین واصحابہ اجمعین

مہمانان معزز و حاضرین کرام!

اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں حق و ہدایت کی روشنی کے لئے دو ذریعے رکھے ہیں۔ ایک اللہ کی کتاب اور اس کا کلام اور دوسرے انبیاء و رسل، جن کے ذریعے یہ پیغام ربانی اللہ کے بندوں تک پہونچتا ہے، ان دونوں میں وہی رشتہ ہے جو پھول اور خوشبو میں ہے۔ ان دونوں کو تھامنا ہدایت و فلاح کی ضمانت ہے اور ان میں سے ایک کو تھامنا اور دوسرے سے انحراف نے ہر دور اور ہر زمانہ میں انسان کو گمراہی اور حق سے محرومی تک پہونچایا ہے۔

کتاب الٰہی کا سلسلہ قرآن مجید پر ختم ہوتا ہے جو انسانی زندگی کے لئے ایک عظیم اور جامع دستور کی حیثیت رکھتا ہے اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی سنت و سیرت قرآن کی وہ تشریح و توضیح ہے جو پوری طرح منشأ الٰہی کو واضح کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قرآن نشانِ راہ ہے جو حق و صداقت کے راستہ کی نشاندہی کرتا ہے اور سنت اسی راہِ حق کی عملی تشکیل ہے جو رہروانِ حق اور متلاشیانِ حقیقت کے لئے اس راستہ پر چلنے کو آسان اور سہل بنادیتی ہے یہ حدیث رسول ہی کا

ذخیرہ ہے جس نے قرآن کو معنوی تحریف، من چاہی تاویلات اور بندگانِ ہوس کی خود رائی اور خود ساختہ معنی آفرینیوں سے بچایا ہے۔

اِس لئے ہر زمانہ میں قرآنِ مجید کے بعد فن حدیث کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور علمأ اسلام نے حدیث کے نقد و تحقیق میں اس حزم و احتیاط کی راہ اختیار کی ہے اور اپنی بہترین ذکاوت، قوت استنباط اور فہم رسا سے اس طرح کام لیا ہے جس کی مثال نہ صرف علوم اسلامی کی تاریخ میں بلکہ تمام علوم و فنون میں ملنی دشوار ہے۔ خود مستشرقین نے محدثین کی اس بے مثال اور بے نظیر خدمت کا اعتراف کیا ہے اور اس کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ہم ہندستان والوں کے لئے یہ بات باعثِ افتخار ہے کہ علوم اسلامی کے دوسرے شعبوں کی طرح فنِ حدیث اور اس کے متعلقات پر بھی علمأ ہند کی خدمات کا سرمایہ بہت عظیم اور وسیع ہے اور اس نے پورے عالم اسلام سے خراج تحسین وصول کیا ہے۔ انہوں نے حدیث کے متون، کتب حدیث کی شروح اور مفرداتِ حدیث کے حل میں ایک وسیع کتب خانہ کو وجود بخشا ہے۔ کہنا چاہیئے کہ ہندستان کی سرزمین سے اور کچھ نہ ہوتا اور صرف "کنز العمال" جیسی حدیث کی عظیم انسائیکلو پیڈیا مرتب ہو جاتی جو روئے ارض پر حدیثِ نبوی کا سب سے وسیع ذخیرہ ہے اور جس کو شیخ علی متقی الہندی نے مرتب کیا ہے تو اس کے فخر کے لئے کافی ہوتا۔

کنز العمال کے علاوہ متنِ حدیث میں علامہ ظہیر احسن شوق نیموی کی "آثار السنن" اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی "اعلاء السنن" فقہ الحدیث میں بے نظیر کتابیں ہیں، جن میں خصوصیت سے فقہ حنفی کی حدیث سے مطابقت کو واضح کیا گیا ہے۔ عرب علمأ نے بھی ان کتابوں کی علمی وقعت اور محدثانہ ژرف نگاہی کا اعتراف کیا ہے۔ شروح حدیث پر ماضی قریب میں علمأ ہند نے جو کچھ کام کیا ہے، اس نے خدمت حدیث کی ایک نئی تحریک کو جنم دیا ہے۔ بخاری شریف پر نابغہ روزگار محدث العصر حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری کے افادات (جن کو ان کے لائق شاگرد مولانا بدر عالم میرٹھی نے "فیض الباری" کے نام سے جمع کیا ہے) صحیح مسلم پر مولانا شبیر احمد عثمانی کی "فتح الملہم" اور مولانا محمد تقی عثمانی کے ذریعہ اس کا تکملہ (جو ابھی زیر تالیف ہے اور جس کے بعض اجزأ شائع ہو چکے ہیں) صحیح ترمذی پر مولانا عبد الرحمٰن

مبارکپوریؒ کی فاضلانہ شرح "تحفۃ الاحوذی" اور علامہ کشمیریؒ کے افادات پر مشتمل مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی مبسوط شرح "معارف السنن" سنن ابوداؤد کی محدثانہ شرح "عون المعبود" اور فقہ حنفی کی رعایت کے ساتھ مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی مفصل شرح "بذل المجہود" مؤطا امام مالک پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی "المسوّی" اور فارسی میں "المصفی" نیز شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کی مبسوط شرح "اوجز المسالک" سنن الدارقطنی پر علامہ شرف الدین عظیم آبادیؒ کی "التعلیق المغنی" طحاوی پر داعی الی اللہ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کی "امانی الاحبار" امام محمدؒ کی کتاب الآثار پر مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ کی "قلائد الازہار" مشکوٰۃ شریف پر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی "التعلیق الصبیح" مولانا عبیداللہ مبارکپوریؒ کی "مرعاۃ المصابیح" اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عربی و فارسی شرح اور امام بخاری کی "الادب المفرد" پر مولانا فضل اللہ جیلانیؒ کی "فضل اللہ الصمد" کے علاوہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی تحریریں اور اس طرح کی متعدد کتابیں ہیں جو اپنی علمی عظمت اور مقام و مرتبہ کے لحاظ سے کسی اہم سے اہم غیر ہندوستانی شرح حدیث کے مقابلہ میں رکھی جا سکتی ہیں

اسی طرح مفردات حدیث میں علامہ طاہر پٹنی گجراتیؒ کی "مجمع بحار الانوار" اور اصول حدیث میں مولانا عبدالحی لکھنویؒ کی "ظفر الامانی" سے کون صاحب علم ناواقف ہوگا۔ ماضی قریب میں اصول حدیث پر جو گرانقدر کام ہوا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی فتح الملہم کا مقدمہ اور مولانا ظفر احمد عثمانی کی اعلاء السنن کا مقدمہ ان میں صف اول میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔ کتب حدیث پر تعلیق و تحقیق کے کام میں مولانا ابوالوفا افغانیؒ، مولانا عبدالخالق افغانیؒ ثم حیدرآبادیؒ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا ڈاکٹر مصطفےٰ اعظمی فاضل دیوبند کا نام کبھی فراموش نہیں کیا جاسکے گا۔ آخر الذکر مولانا مصطفیٰ اعظمی نے احادیث کو کمپیوٹر میں لانے کی جو وسیع اور عظیم خدمت انجام دی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ اردو زبان میں بھی ہندوستانی علماء نے علوم حدیث کی طرف کافی توجہ کی ہے مولانا بدر عالم میرٹھی کی "ترجمان السنہ" جیسی عالمانہ کتاب کے علاوہ مولانا محمد منظور نعمانی کی "معارف الحدیث" جناب محمد فاروق خاں ایم اے کی "کلامِ نبوت" مولانا عبدالغفار حسن ندوی کی "انتخاب حدیث" اور مولانا جلیل احسن ندوی کی "راہِ عمل" اور "زادِ راہ" اس باب میں خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اکثر متون حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ان تراجم میں مولانا عبداللہ غازیپوری کی "مظاہر حق

(ترجمہ و تشریح مشکوٰۃ شریف، مولانا عبداللہ طارق دہلوی کی "الترغیب والترہیب" اور محترمہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ (خواہرِ مولانا سید ابوالحسن ندوی) کی "زادِ سفر" (ترجمہ ریاض الصالحین) کو خاص شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ حدیث کی فنی اور فقہی بحثوں پر مختلف کتب حدیث کی شرحیں وجود میں آچکی ہیں جیسے مولانا احمد رضا بجنوری کی شرح بخاری "انوار الباری" نیز مولانا فخر الدین احمدؒ کے دروس بخاری کا مجموعہ "ایضاح البخاری" اور مولانا محمد تقی عثمانی کے دروس ترمذی کا مجموعہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ متعلقات حدیث اور محدثین کے حالات میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی "بستان المحدثین" مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کی "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" اور مولانا محمد فاروق خاں ایم اے کی کتاب "حدیث کا تعارف" بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ اردو ترجمہ میں "مشارق الانوار" بھی نہایت وقیع اور قیمتی ہے۔

پھر ہندوستان میں **حیدرآباد** کو حدیث کی اشاعت و خدمت کی جو سعادت حاصل رہی ہے وہ اہل علم کے لئے محتاجِ اظہار نہیں۔ ایک عرصہ کی نایابی کے بعد یہیں سے "کنز العمال" اور بیہقی کی "سنن کبریٰ" زیور طبع سے آراستہ ہوئی، فتح الملہم اور التعلیق الصبیح بھی اولاً حیدرآباد ہی سے چھپی، فقہ الحدیث میں "زجاجۃ المصابیح" جیسی بیش قیمت کتاب اسی دیار کے فرزند محدث دکن حضرت مولانا سید عبداللہ شاہ صاحبؒ نے تالیف فرمائی۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی (مقیم پیرس) نے مسند ابوہریرہ کو اور مولانا ابوالوفا افغانی اور مولانا عبدالخالق افغانی نے دیگر متعدد کتب حدیث کو ایڈٹ کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی مشہور کتاب "الوثائق السیاسیہ" بھی حدیث کی خدمت کا ہی ایک حصہ ہے۔ مولانا فضل اللہ جیلانی (سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) نے اپنی کتاب "فضل اللہ الصمد" اور اپنے استاذ مولانا مفتی عبداللطیف علیگڑھی کے افادات ترمذی کا مجموعہ یہیں مرتب فرمایا۔ مولانا وحید الزماں حیدرآبادی نے حدیث کی اہم کتابوں کے اُردو میں کامیاب ترجمے کئے۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی مشہور زمانہ کتاب "تدوین حدیث" کی تالیف کا شرف بھی اسی شہر کو حاصل ہے۔

بدقسمتی سے ہندوستان کے مختلف شہروں سے جوں جوں مسلم حکومت رخصت ہوتی گئی۔ علم و ادب کی باغ و بہار کو بھی الوداع کہنا پڑا اور وہ علم و فن کے مدفن بنتے چلے گئے۔ دہلی مرحوم کا علمی و ادبی انحطاط محتاج بیان نہیں، یہی حال ملک کے دوسرے بڑے شہروں کا ہے۔ حیدرآباد جو ایک زمانہ میں غیر منقسم ہندوستان کے اہل علم اور ارباب نظر کا آشیانہ تھا اور جس کی فیاضی، فراخدلی اور وسیع القلبی نے نہ جانے کتنے اہل علم کو اپنے

دامن فیض میں سمیٹ رکھا تھا۔ کا بھی حکومتِ آصفیہ کے خاتمہ کے بعد کچھ ایسا ہی حال ہوا، لیکن اس شہر کی خوش قسمتی اور اس کے نصیب کی یاوری کہ گو تخت اقتدار، مسلم فرمانرواؤں کے ہاتھ سے جاتا رہا مگر ایک وقتی اضمحلال کے بعد یہاں ایک دینی حرکت اور ملّی حمیت از سرِنو شروع ہوئی اور اس کے نتیجہ میں دینی مدارس کے قیام کی ایک نئی تحریک شروع ہوگئی جو بلاشبہ وقت کی ایک اہم ضرورت اور مسلمانوں کی آئندہ نسل کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے ایک ناگزیر جدوجہد ہے ــــــ ان مدارس نے پھر سے یہاں علوم اسلامی کے چراغ روشن کئے، اور اس شہر کی جبینِ ثقافت کو اپنے گلہائے سرسبد سے آراستہ کیا۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی علم حدیث اور اس کی تعلیم ہے، جس کو بجا طور پر تمام علوم اسلامی میں خاص عظمت حاصل ہے، حیدرآباد جو کتب حدیث کی طباعت و اشاعت اور اس کے ذخیرۂ گم گشتہ کی تحقیق و جستجو میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے اور جہاں اس مقصد کے لئے بین الاقوامی شہرت یافتہ وقیع ادارہ "دائرۃ المعارف" خاموشی کے ساتھ ٹھوس اور مفید خدمت انجام دے رہا ہے، وہیں علم حدیث کی تعلیم و تدریس میں بھی اس کو ایک گونہ مرکزیت اور مرجعیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں دورۂ حدیث کا قیام بھی اسی سعی مسعود کا ایک حصّہ ہے۔

حضرات! دارالعلوم سبیل السلام کے قیام کو ۱۵ سال کا عرصہ گزر چکا ہے اور اب اس نے اپنی عمر کے سولھویں سال میں قدم رکھا ہے، جس کو انسانی زندگی میں اہلِ علم نے عقل و شعور کی پختگی کا زمانہ قرار دیا ہے اور احکام شرعیہ کی تکلیف میں اس کو معیار بنایا ہے، غالباً عند اللہ یہ بات مقدر تھی کہ اس سن و سال میں مدرسہ ہٰذا کی منزلِ تعلیم پایۂ تکمیل کو پہونچے آنے والا زمانہ کمیت اور اس سے زیادہ کیفیت، ظاہر اور اس سے زیادہ باطن کے اعتبار سے اس کے شباب اور عروج اور تعارف و نمود کا دور ہو، ایسا شباب جو بڑھاپے سے آشنا نہ ہو، اور ایسا عروج جو زوال سے بے نیاز ہو۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

حقیقت یہ ہے کہ "دورۂ حدیث" کے قیام سے اس مدرسہ کی تاریخ کا ایک باب مکمل ہوتا ہے اور اپنی کتاب زندگی کا نیا باب کھول رہا ہے، اس مبارک و مسعود تقریب کے موقع پر اپنے ان اکابر اور جلیل القدر علمأ کے ہم تہ دل سے ممنون ہیں، جنھوں نے زحمت فرما کر دور دراز کا سفر کیا اور اپنی معروفیت کے باوجود اس

موقع کیلئے وقت فارغ فرمایا، ہم اپنی انتظامیہ کے رفقا، مدرسین کرام اور مدرسہ کے تمام عملہ کے بھی شکر گزار ہیں جن کی مساعی نے مدرسہ کو اس منزل تک پہونچایا ہے، بالخصوص ہم اس موقع پر اپنی مجلس انتظامی کے حوصلہ مند، علم دوست اور مخلص صدر جناب الحاج سید ضیا الرحمٰن صاحب اور اس مدرسہ کے لائق و فاضل بیدار مغز اور متحرک و فعال صدر مدرس جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا ذکر کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں، جن کے مخلصانہ تعاون کے ذریعہ ہم اس اہم منزل تک پہونچ سکے، جزاهم الله خير الجزاء۔

اخیر میں باہر سے آنے والے مہمانانِ خصوصی شہر اور اضلاع سے آئے ہوئے علماً کرام و دینی مدارس کے ذمہ داران، اور آپ تمام حاضرین و معاونین کے شکریہ کے ساتھ درخواست ہے کہ اس مدرسہ کی ترقی، اس کے علمی و دینی فیضان کے عموم، اس کی موجودہ زیر تعمیر عمارت کی جلد تکمیل اور ہر طرح کے شر و فتنہ سے اس کی حفاظت کے لئے دعا فرمائیں ——— اور خدائے رحیم کی بارگاہ میں اِس " وادیٔ غیر ذی زرع " میں کھڑے ہو کر یہی دعا کرتا ہوں جو خدا کے دو مقدس رسولوں نے ارض مکہ پر " بیت اللہ شریف " (زاد اللہ شرفہ) کی تعمیر کے وقت فرمائی تھی، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم!!

محمّد رضوان القاسمی

ناظم دار العلوم سبیل السّلام، حیدرآباد

تاثرات

راقم الحروف نے دورۂ حدیث شریف کی افتتاحی تقریب میں شرکت اور دعا کیلئے بعض اکابر علماء اور دینی مدارس کے ذمہ داروں کے نام خطوط روانہ کئے تھے، ان حضرات کی طرف سے جو جواب آئے ہیں ان کے اقتباسات ذیل میں پیش کئے جارہے ہیں:

محمد رضوان القاسمی

○ آپ کا خط ملا۔ اس بات سے خوشی ہوئی کہ آپ کے مدرسہ میں دورۂ حدیث کا قیام عمل میں آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص اور قوت عطا فرمائے اور مدرسہ ترقی کی طرف بڑھتا رہے۔ میں اپنی بیماری اور ضعف کی وجہ سے حاضر ہونے سے معذور ہوں —— اللہ تعالیٰ بابرکت افتتاح فرمائے۔ مدرسہ کی ترقی سے مسرور ہوا، اللھم زد فزد۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہ (جلال آباد)۔

○ میں بہت مجبور ہوں، سفر اس وقت مشکل ہے۔ انشاء اللہ بعد میں مدرسہ میں حاضری ہوتی رہے گی، دعا کر رہا ہوں، خداوند کریم مدرسہ کو ہر اعتبار سے ترقی عطا فرمائے۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب (ہتورا)

○ آپ نے میرے عذر کو قبول کرلیا اور اصرار نہیں کیا، اس کا طبیعت پر خاص اثر ہے۔ انشاء اللہ کسی دوسرے موقعہ پر ضرور حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ عزائم میں کامیابی عطا فرمائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی

○ عدیم الفرصتی کے باعث افتتاحی پروگرام میں شرکت سے قاصر ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ افتتاحی تقریب کو کامیاب کرے اور مدرسہ کو ہمہ جہت کامیابی عطا فرمائے۔

حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب (شیخ الحدیث و نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

ان حضرات کے علاوہ مولانا محمد سلمان ندوی حسینی (ندوہ، لکھنؤ) مولانا عبدالاحد ازہری، مولانا محمد حنیف ملی (مالیگاؤں) مولانا عبداللہ ترکیسری (گجرات) مولانا معین الدین قاسمی (ناندیڑ) مولانا سید احسان الدین قاسمی (نلگنڈہ) مولانا غلام محمود قاسمی (میدک) مولانا حافظ محمد طاہر قاسمی (شادنگر) نے بھی جوابی خطوط میں دورۂ حدیث کے قیام پر اپنی خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا ہے۔ اس طرح کے حوصلہ افزائی کے خطوط کے لئے ہم تمام حضرات کے شکر گذار ہیں۔

خبرنامہ

دارالعلوم سبیل السلام

مولانا محمد یوسف مفتاحی

○ مؤرخہ ۲۱ رجب ۱۴۰۸ھ م ۸ مارچ ۱۹۸۸ء جمعہ کو بعد نماز مغرب مولٰنا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ باغ عامہ، حیدرآباد میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کی طرف سے ایک اردو سہ ماہی "صفا" اور عربی سہ ماہی "صوت السلام" کے نام سے جاری ہوا، رسم اجرار کی تقریب حضرت ناظم صاحب کے زیر صدارت منعقد ہوئی، جناب عابد علی خاں مدیر سیاست، مولانا عبدالکریم پاریکھ (ناگپور) مولانا محمد حنیف ملی (مالیگاؤں) مولٰنا عبداللہ صاحب (ترکیسر گجرات) مولانا عبدالعزیز صاحب (ناظم مجلس علمیہ) اور مولانا برکت اللہ (ناظم دارالعلوم کریمنگر) نے مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی، اس موقع سے حضرت ناظم صاحب نے مطبوعہ خطبۂ صدارت پڑھا جس میں پوری قوت سے دینی مدارس کی اہمیت اور تحریر کے ذریعہ دین کی اشاعت و دعوت کی ضرورت اور اس طرف علمار کو توجہ کرنے کی افادیت پر زور دیا۔

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے صفا کا تعارف کراتے ہوئے اردو ادب پر بتدریج مخالف مذہب عناصر کے غلبہ پر تشویش ظاہر کی اور علمار سے خواہش کی کہ وہ صحافت و ادب پر اپنی بالادستی قائم رکھنے کی سعی کریں، مولانا محمد ابوبکر صاحب غازیپوری رئیس التحریر "صوت السلام" نے عربی زبان میں صوت السلام کا تعارف کرایا۔ جناب عابد علی خاں نے دینی مدارس کی خدمات میں اس کو ایک نئے باب کا اضافہ قرار دیا، مولانا محمد حنیف ملی نے صفا اور صوت السلام کی تحسین کی اور مدرسہ کو اس مبارک قدم پر مبارکباد دی، مولٰنا عبدالعزیز صاحب اور مولانا برکت اللہ صاحب نے دارالعلوم سبیل السلام کی علمی و دینی مساعی

کی ستائش کی اور ان جرائد کے بارے میں نیک تمناؤں کا اظہار کیا، حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب سرپرست مدرسہ نے اپنے مخصوص انداز میں علم اور قلم کی عظمت و اہمیت پر نہایت موثر خطاب فرمایا، آخر میں الحاج سید ضیاء الرحمٰن صاحب نے شکریہ ادا کیا۔

—— لوگوں کا خیال تھا کہ اس تقریب میں شہر کے معززین، اہل علم و دانش اور خواص کی اتنی بڑی تعداد اکٹھی ہوگئی تھی جو کم یکجا ہوا کرتی ہے، جگہ کی کمی کی وجہ سے حاضرین کی بڑی تعداد کو باہر کھڑا رہنا پڑا۔

○ مورخہ ۲۰ر مارچ ۱۹۸۸ء کو عرب امارات میں مقیم بعض دینی دوست اور علم پرور حضرات کی دعوت پر حضرت ناظم صاحب نے عرب امارات کا سفر فرمایا اور متعدد اجتماعات کو خطاب فرمایا، تقریباً دو ماہ گذار کر عید الفطر کے بعد آپ واپس ہوئے۔ دار العلوم سبیل السّلام میں مطالعہ کے لئے مراجع کی بہت کمی تھی، اساتذہ کو بڑی دشواری پیش آتی تھی، حضرت ناظم صاحب کو عرصہ سے اس ضرورت کا احساس تھا، اس سفر میں آپ نے کچھ اہل خیر کو توجہ دلائی اور تقریباً ۴۵ —— ۵۰ ہزار کی کتابیں خریدکیں۔ بحمد اللہ علوم اسلامی کے تمام شعبوں کی امہات کتب اور اہم مراجع جمع کرلیں۔ اس طرح مدرسہ کا کتب خانہ اب نہ صرف اساتذہ کے لئے ایک مفید کتب خانہ بن گیا ہے بلکہ علم و تحقیق کا کام کرنے والوں کے لئے بہترین معاون و مددگار ہے —— حضرت ناظم صاحب کا عزم ہے کہ اس میں مسلسل اضافہ کیا جاتا رہے اور اس کو شہر میں اسلامیات کا ایک مثالی کتب خانہ بنا دیا جائے۔

○ مورخہ ۴ر شعبان تا ۸ر شعبان ۱۴۰۸ھ مدرسہ میں اور ۱۰ر ۱۱ر شعبان ۱۴۰۸ھ کو مدرسہ کی شاخوں میں امتحان سالانہ کا انعقاد عمل میں آیا، شعبۂ عربی میں امتیازی درجہ حاصل کرنے والے طلبہ یہ ہیں: احمد عبدالمجیب، خالد حسین صدیقی، انور معیز الدین (نمبرات کا اوسط ۸۶) حافظ امتیاز احمد (نمبرات کا اوسط ۸۵) عبد العزیز قادری (نمبرات کا اوسط ۸۴) شعبۂ حفظ میں تبریز عالم (نمبرات کا اوسط ۸۵) شعبۂ اردو میں علیم الدین (نمبرات کا اوسط ۹۳) محمد انصار اللہ، شیخ شفیق (نمبرات کا اوسط ۸۹) اشرف علی (نمبرات کا اوسط ۸۸)

○ عین اس وقت جب طلبہ رخصت ہونیوالے تھے اور شعبۂ عربی کا امتحان مکمل ہونے

کے بعد شعبۂ حفظ و اُردو کا امتحان آخری مرحلہ میں تھا، مدرسہ کے ایک صالح طالب علم صغیر عالم (متعلم جماعت ششم عربی) کا ٹریفک کے ایک حادثہ میں وسط شعبان میں نماز فجر ادا کرنے کے بعد انتقال ہوگیا۔ اس واقعہ نے مدرسہ کی فضا کو سوگوار کر کے رکھ دیا۔ قانونی کارروائیوں کی تکمیل کے بعد اسی دن نماز عشاء سے کچھ قبل مدرسہ ہی میں مرحوم کی تدفین عمل میں آئی، قانونی کارروائی کے سلسلہ میں محترم جناب ابراہیم بن عبداللہ مسقطی رکن اسمبلی۔ نے بطور خاص تعاون کیا۔

○ مؤرخہ ۲۲ رشعبان ۱۴۰۸ھ کو جناب صدر مدرس اور راقم الحروف نے مدرسہ کی شاخ ورنگل میں امتحان کی غرض سے ورنگل کا سفر کیا، اس موقعہ سے بعد نماز عشاء طلبۂ طالبات کا اجتماع ہوا اور امتیازی درجہ سے کامیابی حاصل کرنیوالوں میں انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔ اس اجتماع کے بعد ہی مولانا محمد یوسف زاہد صاحب کی دعوت پر ایک علمی مذاکرہ بعنوان "عصر حاضر کی الجھنیں اور ان کا حل" زیر صدارت جناب صدر مدرس صاحب منعقد ہوا، اس موقعہ سے داعی اجلاس کے علاوہ جناب احمد حسین سب جج اور بعض اور اہل علم کے خطاب کے بعد صدر اجلاس نے خطاب فرمایا، پھر حاضرین کو سوالات کا موقعہ دیا گیا اور رات دیر گئے تک صدر جلسہ جوابات دیتے رہے۔ حاضرین نے سوال و جواب کی اس نشست سے بہت استفادہ کیا اور آپ سے آئندہ بھی اس کیلئے وقت دینے کی خواہش کی۔

○ رمضان المبارک میں... جناب سید جمیل الدین صاحب ایڈوکیٹ کنوینر دینی تعلیمی کونسل کی دعوت پر "دینی تعلیمی مرکز" ارم کاٹیج، اعظم پورہ کا سالانہ جلسہ زیر صدارت محترم صدر مدرس صاحب منعقد ہوا، اس اجلاس میں مرکز کے طلبۂ طالبات نے نہایت مؤثر تعلیمی مظاہرہ پیش کیا۔ صدر جلسہ کے خطاب اور دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

○ مدرسہ کی تعمیر کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ جاری ہے، دارالحدیث اور اس کے ساتھ چار وسیع کمروں کی چھت پڑرہی ہے، امید ہے کہ ختم ذوالحجہ تک یہ حصہ مکمل ہوجائے گا۔ اور اس کے ساتھ ہی درسگاہ کی عمارت کے اگلے بلاک کی تعمیر شروع ہوجائے گی۔ اس کے بعد لائبریری کی عمارت پیش نظر ہے۔ تعمیرات کا یہ کام پوری حسن و خوبی کے ساتھ ناظم مدرسہ

مولانا محمد رضوان القاسمی کی خاص دلچسپی سے جناب الحاج سیّد ضیاء الرحمان صاحب کے زیر انتظام انجام پا رہا ہے، تعمیر کے سلسلہ میں جناب انور عزیز صاحب آرکیٹکٹ، جناب عباسی صاحب آرکیٹکٹ، جناب سبحانی انجینئر، جناب سیّد عبدالولی قادری انجینئر اور جناب عبدالشکور صاحب انجینئر کی فنی رہنمائی اور رہبری حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بھرپور بدلہ عطا فرمائے۔

○ نئے تعلیمی سال شوال ۱۴۰۸ھ کی ۱۱ر تاریخ سے ہی داخلوں کا آغاز عمل میں آیا۔ اس سال دارالاقامہ میں طلبہ کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے، جگہ کی تنگی کی وجہ سے داخلہ کے بہت سے امیدواروں کو واپس کر دینا پڑا۔ بحمداللہ مدرسہ کے اعلیٰ معیار تعلیم و تربیت اور اس کے شہرہ کی وجہ سے ریاست آندھراپردیش کے علاوہ دور دراز کے طلبہ کا بھی کثرت سے رجوع ہے اور افسوس کے ساتھ بہت سے داخلہ کے خواہاں طلبہ کو واپس کرنا پڑا۔

○ اس سال دورۂ حدیث کا افتتاح بھی عمل میں آرہا ہے، اس سلسلہ میں تمام تیاری کرلی گئی ہے، حضرت مولانا ابوالسعود صاحب (نائب صدر مسلم پرسنل لا بورڈ) حضرت مولانا سیّد انظر شاہ کشمیری (شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند) حضرت مولانا مفتی اشرف علی (شیخ الحدیث دارالعلوم سبیل الرشاد) حضرت مولانا محمد حنیف ملی (شیخ الحدیث معہد ملت مالیگاؤں) حضرت مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ (خازن مسلم پرسنل لا بورڈ) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب (ناظم مجلس علمیہ آندھراپردیش و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا عبدالحنان صاحب استاذ حدیث دارالعلوم مائلی بھروچ، گجرات اور حضرت مولانا معین الدین قاسمی (ناظم مدرسہ سراج العلوم ناندیڑ) نے اس سلسلہ کی ہونیوالی تقریب بتاریخ ۴ر ذو قعدہ ۱۴۰۸ھ م ۱۹ر جون ۱۹۸۸ء میں شرکت سے اتفاق کرلیا ہے۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب (جلال آباد) عارف باللہ حضرت مولانا محمد صدیق باندوی اور حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے اس موقعہ پر مدرسہ کیلئے اپنی نیک توقعات کا اظہار فرمایا ہے، منتظمین کو مبارکباد دی ہے اور مدرسہ کی ترقی و بہبودی کے لئے دعا کی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۷۱ پر)

DARUL-ULOOM
SABEELUSSALAM

Phone:239450

Behind